فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
75	۲ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات
111	❁ ...... تلبیہ کی تلقین
112	❁ ...... عائشہ رضی اللہ عنہا کی ناخوشی اور نبی ﷺ کا انداز تربیت
113	❁ ...... اونٹ کی گمشدگی اور تربیت
114	❁ ...... صحابہ میں مسائل حج سیکھنے کا شوق
114	❁ ...... مخصوص ایام میں عورت کے لیے حکم
115	❁ ...... مکہ مکرمہ میں داخلہ
115	❁ ...... حرم شریف میں داخلہ
116	❁ ...... کعبے پہ پڑی جب پہلی نظر
116	❁ ...... طواف سے ابتدا
117	❁ ...... استقبال، نیت اور استلام
117	❁ ...... استلام کے معارف
119	❁ ...... اضطباع اور رمل
120	❁ ...... سعی
120	❁ ...... تکمیل عمرہ
120	❁ ...... یوم ترویہ
121	❁ ...... پہلا خطبہ حج
121	❁ ...... منیٰ روانگی
121	❁ ...... عرفات روانگی
122	❁ ...... وقوف عرفات
123	❁ ...... نبی ﷺ کی ایک مشفقانہ دعا
124	❁ ...... خطبہ حج

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆☆☆

﴿النَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾

(سورۃ الاحزاب: ۶)

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے تقاضے

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 28 جنوری 2011ء ۲۳ صفر ۱۴۳۲ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: بیان جمعۃ المبارک

اقتباس

تو ہمیں چاہیے کہ نبی ﷺ کی ایک ایک سنت کے ساتھ اپنے جسم کو مزین کریں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ شادی کے موقع پر دلہن کو سجانے کے لیے زیور پہنائے جاتے ہیں، تو دلہن یہ سمجھتی ہے کہ انگلیوں میں انگوٹھی پہنادیں گے، انگلیاں خوبصورت ہو جائیں گی۔ بازوؤں میں چوڑیاں پہنادیں گے بازو خوبصورت بن جائیں گے، کانوں میں بالیاں ڈال دیں گے کان خوبصورت ہو جائیں گے، گلے میں ہار ڈالا گلا خوبصورت۔ اس طرح دلہن یہ سمجھتی ہے کہ جسم کے جس عضو پر سونے کا زیور آ گیا وہ میرے خاوند کی نظر میں زیادہ خوبصورت ہو جائے گا، مومن کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیے کہ میرے جسم کے جس عضو کو سنت سے نسبت ہو گی سنت کا عمل اس پر سج گیا میرا وہ عضو اللہ کی نظر میں خوبصورت ہو جائے گا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

محبتِ رسول ﷺ اور اس کے تقاضے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (سورۃ الاحزاب: ۶)
و قال رسول الله ﷺ
((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ))
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

محبت کا مفہوم:

محبت کا لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، اس کا معنی ہوتا ہے کہ کوئی چیز انسان کو پسند آجائے اور دل اس کی طرف کھنچنا شروع ہو جائے اور اس کے بغیر انسان کو قرار نہ آئے، چنانچہ ہمارے مشائخ نے محبت کی تعریف (Definition) میں مختلف اقوال بیان کیے ہیں

○ بعض نے کہا:

اَلْمَحَبَّةُ مَيْلُ الْقَلْبِ اِلٰى مُوَافِقِ الْمَحْبُوْبِ

''محبوب کی باتوں کا محبّ کے دل میں موافق ہو جانا، اچھا لگنا''

○ بعض نے کہا:

اَلْمَحَبَّةُ اِيْثَارُ الْمَحْبُوْبِ

"محبت محبوب کو (ہر معاملے میں) ترجیح دینا ہے"

○ کسی نے کہا:

اَلْمَحَبَّةُ الشَّوْقُ اِلَى الْمَحْبُوْبِ

"محبوب سے ملاقات کا اشتیاق ہونے کو محبت کہتے ہیں"

○ یہ بھی کہا گیا:

اَلْمَحَبَّةُ دَوَامُ الذِّكْرِ لِلْمَحْبُوْبِ

"محبت محبوب کو ہمیشہ یاد رکھنے، بھول نہ سکنے کو کہتے ہیں۔"

○ اور بعض نے فرمایا کہ

اَلْمَحَبَّةُ اِتِّبَاعُ الْمَحْبُوْبِ

"کہ محبوب جو کام کہے اس کام کو اسی طرح کرنا، اس کو محبت کہتے ہیں"

نبی علیہ السلام سے محبت ایمانی فریضہ ہے:

ہر مومن کے دل میں نبی ﷺ کی محبت یقینی ہوتی ہے، اس کے بغیر انسان کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ نبی ﷺ سے محبت کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

نہ جب تک کٹ مروں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا
نماز اچھی ہے حج اچھا روزہ اچھا زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا

محبتِ رسول ﷺ قرآن کی روشنی میں:

چنانچہ قرآن مجید کی ایک آیت مبارکہ ہے:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ (سورۃ توبہ:۲۴)

''کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے رشتہ دار اور مال جو تم کماتے ہو اور کاروبار جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو تم ٹھہرے رہو، یہاں تک کہ اللہ تمہارے لیے اپنا حکم (عذاب) بھیجے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتے''

سب رشتے گنوائیں کہ یہ رشتے داریاں اور وہ تمہارے گھر جن میں رہنا تم پسند کرتے ہو اور تمہاری تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے، اگر یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر تم انتظار میں رہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے۔

تو معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی محبت تمام محبتوں کے اوپر غالب ہونی چاہیے، مخلوق کی ساری محبتیں نیچے ہیں اور نبی علیہ السلام کی محبت ان سب محبتوں پر فائق ہے۔ بتانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگو! یہ جو دائرۂ اسلام کے اندر محبتیں ہم نے رکھی ہیں، میاں بیوی کی محبت، ماں، باپ، اولاد کی محبتیں، یہ سب اچھی ہیں لیکن اگر یہ محبتیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں رکاوٹ بنیں تو ان محبتوں پر پاؤں رکھ کر تم آگے گزر جاؤ

تمہاری منزل کوئی اور ہے۔

محبت رسول ﷺ احادیث کی روشنی میں:

◉ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوكُمْ مِنْ نِعَمِهِ وَ اَحِبُّوْنِي لِحُبِّ اللّٰهِ))

”اللہ رب العزت سے محبت کرو کہ وہ تمہیں کھانے میں کیا کیا نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت کرو (اللہ کی نسبت سے) کہ میں اللہ کا محبوب ہوں۔“

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے کیا خوبصورت بات ارشاد فرمائی۔

◉ چنانچہ ایک حدیث پاک میں فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ))

”تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد سے، بیٹوں سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

یہاں پر بیٹے کا تذکرہ پہلے نہیں کیا حالانکہ عام طور پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ بیٹا زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ والد کا تذکرہ پہلے کیا، اس لیے کہ ایک حدیث پاک میں فرمایا کہ میں ہر متقی کا باپ ہوں، تو چونکہ باپ کا رشتہ تھا اگر بیٹے کا تذکرہ پہلے ہوتا تو اس بات کے خلاف ہو جاتا، تو اللہ کے حبیب ﷺ نے والد کا تذکرہ یہاں پہلے فرما دیا۔

◉ ایک دوسری جگہ فرمایا:

((ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ))

”تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں ہوں اس کو ایمان کی حلاوت نصیب ہو

جائے“

......اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَا ھُمَا

”اللہ اور اس کے رسول ﷺ باقی ہر چیز سے زیادہ بندے کو محبوب ہو جائیں“

......وَ اَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ

”اور کوئی شخص جس سے بھی محبت کرے اللہ ہی کے لیے کرے“

......وَ اَنْ یَّکْرَہَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ کَمَا یَکْرَہُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ

”اور یہ کہ کفر میں لوٹنے کو ایسے محسوس کرے جیسے آگ میں لوٹنا۔“

ان میں سے پہلی بات یہ بیان ہوئی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت بندے کو باقی ہر چیز سے زیادہ ہو۔

⊙ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ!

لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا نَفْسِیَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیَّ

”آپ مجھے ہر ایک چیز سے زیادہ سے محبوب ہیں سوائے اپنی جان کے“

تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَّفْسِہٖ))

اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْکَ الْکِتَابَ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیَّ

''اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی، آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئے ہیں۔''

تو نبی ﷺ نے فرمایا:

اَلْاٰنَ یَا عُمَرُ

''اے عمر! اب ایمان مکمل ہو گیا''

تو معلوم ہوا کہ یہ محبت تمام محبتوں سے زیادہ مضبوط اور ان پر غالب ہونی ضروری ہے۔

حب رسول ﷺ کا ثمرہ جنت ہے

اس محبت پر انسان کو اجر کیا ملے گا؟

- انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آئے اور آ کر نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھنے لگے:

مَتَی السَّاعَةُ

قیامت کب آئے گی؟

فرمایا: تو نے قیامت کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟

فرمانے لگے: اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں نے کوئی نماز اور روزے تو زیادہ تیار نہیں کیے۔ وَلٰكِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ''لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں''

نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ))

''تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے تجھے محبت ہو گی''

- ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوتے ہیں، فرماتے ہیں: اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ مجھے میرے ماں باپ سے، اہلِ خانہ سے، مال سے، ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔

وَ اِنِّیْ لَاَذْکُرُکَ فَمَا اَصْبِرُ حَتّٰی اَجِیْءَ فَاَنْظُرُ اِلَیْکَ

’’جب میں آپ کو یاد کرتا ہوں مجھ سے صبر نہیں ہوتا، حتیٰ کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری دیتا ہوں اور آپ کے چہرۂ انور کا دیدار کر لیتا ہوں‘‘

وَ اِنِّیْ ذَکَرْتُ مَوْتِیْ وَ مَوْتَکَ وَ عَرَفْتُ اَنَّکَ اِذَا دَخَلْتَ الْجَنَّۃَ رُفِعْتَ مَعَ النَّبِیِّیْنَ

’’اور مجھے یاد آتا ہے کہ ایک دن میں نے اس دنیا سے جانا ہے اور آپ نے بھی پردہ کرنا ہے اور میں یہ بھی پہچانتا ہوں کہ آپ ﷺ جنت میں جائیں گے تو انبیا کے درجے میں بہت اونچے ہوں گے‘‘

وَاِنْ دَخَلْتُھَا لَا اَرَاکَ

’’میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تو آپ کا دیدار نہیں کر سکوں گا‘‘

کہنے کا مطلب تھا کہ پھر ایسی صورت میں مجھے جنت میں کیا مزا آئے گا کہ اس میں آپ کا دیدار ہی نہ ہو سکے گا۔ اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا﴾

(سورۃ النساء:۶۹)

’’جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا، یعنی انبیا، صدیقین اور شہدا اور نیک لوگ۔ اور ان کی رفاقت بہت ہی خوب ہے‘‘

کہ وہ لوگ پھر ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا:

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ))

''بندہ اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی''

صحابہ کہتے ہیں اس حدیث مبارکہ سے ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ کسی اور بات سے ہمیں زندگی میں ایسی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ چونکہ ان کو ایک سند مل گئی کہ آقا ﷺ کے ساتھ جب اتنی محبت ہے تو اب قیامت میں اللہ رب العزت اپنے حبیب ﷺ کے قدموں میں ہمیں جگہ عطا فرما دیں گے۔

حب رسول ﷺ کے تقاضے

یہاں تک تو یہ بات کھل گئی کہ نبی ﷺ کی محبت ضروری بھی ہے اور اس کا ثواب اور ثمر یہ ہے کہ قیامت کے دن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں جگہ نصیب ہوگی۔

اب اگلی بات کہ اس محبت کے تقاضے کیا ہیں؟

محبت کا پہلا تقاضا

دل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و توقیر ہو

تَوْقِیْرُہٗ وَ تَقْدِیْرُہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

کہ اللہ کے حبیب ﷺ کی عزت اور ان کا احترام دلوں میں ہو اور ہم ان کا اکرام کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا﴾ (سورۃ فتح: ۸۔۹)

”اور ہم نے آپ کو حق ظاہر کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، تاکہ (مسلمانو!) تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس کی مدد کرو اور اسے بزرگ سمجھو اور صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہو“

تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ﷺ کو بھیجا، تم ان کا احترام کرو ان کی عزت کرو۔ سلف صالحین کے دلوں میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتنی عزت و تکریم تھی اور ایسی قدر و منزلت تھی کہ عجیب مثالیں ہیں۔

◉ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَاَصْحَابُهٗ حَوْلَهٗ كَاَنَّمَا عَلٰى رُءُوْسِهِمُ الطَّيْرُ

”نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو صحابہ یوں ان کے گرد تھے جیسے ان کے سروں کے اوپر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں اس طرح وہ ادب کے ساتھ آپ ﷺ کے ساتھ تھے“

◉ ابوابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب آپ ﷺ کا تذکرہ ہو تو انسان کو چاہیے کہ وہ ان کے ساتھ ادب کا اظہار کرے۔ اور اگر کسی کے سامنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان پڑھا جائے، حدیث مبارکہ سنائی جائے تو بھی اسی ادب کو ملحوظ رکھنا لازم ہے جو نبی علیہ السلام کی اپنی موجودگی میں ادب ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

◉ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوگ آتے تھے تو باندی کو بھیج کر پوچھتے کہ کیوں آئے ہو؟ اگر تو وہ کہتے کہ جی ہم مسائل پوچھنے آئے ہیں تو آپ ویسے ہی ان کو مجلس میں بلا لیتے اور اگر وہ کہتے کہ جی ہم حدیث مبارکہ سننے کے لیے آئے ہیں تو غسل فرماتے، کپڑے پہنتے، اچھی خوشبو لگاتے، جبہ پہنتے، عمامہ پہنتے اور پھر ایک شان کے ساتھ

ایک جگہ پر بیٹھ کر اللہ کے حبیب ﷺ کی حدیث کو بیان فرماتے۔

◉ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی بیماری کا آخری وقت ہے، کسی نے حدیث پاک کے بارے میں پوچھ لیا۔ فرمانے لگے کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو! دوسروں نے کہا: آپ تو تکلیف میں ہیں اٹھ کر بیٹھنے میں مشقت ہوگی۔ کہنے لگے: بھلے مشقت ہوگی میں لیٹ کر یہ فرمان آپ کو نہیں سنا سکتا۔ اٹھا کر بٹھایا گیا جیسے ہی حدیث سنا کر ان کو لٹایا کلمہ پڑھا اور ان کی موت واقع ہوگئی۔

◉ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ پیدل چل رہے ہوتے اور کوئی حدیث پاک پوچھتا تو جواب نہیں دیا کرتے تھے۔

◉ کسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت! آپ سے جب حدیث مبارکہ پوچھی جاتی ہے تو آپ اس قدر فکر مند ہو جاتے ہیں کہ چہرے کا رنگ تک متغیر ہو جاتا ہے، ہیبت چہرے کے اوپر آجاتی ہے، تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ جن لوگوں کو میں نے دیکھا اگر تم ان لوگوں کو دیکھ لیتے تو تم کہتے کہ مجھے اس سے بھی زیادہ نبی ﷺ کا احترام کرنا چاہیے۔

○ پھر فرمایا کہ میں نے سید القراء عبدالمنتقد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ حدیث پاک سناتے ہوئے اتنا روتے کہ ہمیں ان پر ترس آنے لگ جاتا تھا۔

○ میں نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ہنس مکھ تھے ہنسی کی باتیں کرتے تھے لیکن جب حدیث کا تذکرہ آجاتا تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا۔ وہ کبھی بے وضو حدیث مبارک نہیں سنایا کرتے تھے۔

○ میں نے عبدالرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ بھی ہنس مکھ تھے لیکن حدیث بیان کرتے ہوئے ان کی کیفیت ایسی ہوتی تھی جیسے ان کے چہرے سے خون

کو نچوڑ لیا گیا ہو۔

○ میں نے عامر بن عبداللہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ان کے سامنے میرے آقا ﷺ کا تذکرہ ہوتا تو اتنے ان کے آنسو گرتے کہ بند ہونے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

○ اور میں نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ حدیث مبارکہ بیان کرتے تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کسی بندے کو نہیں پہچانتے، کسی غم کے اندر مبتلا ہیں۔

○ میں نے عثمان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس دیکھیں کہ تذکرہ ہونے پر اتنا روتے تھے کہ لوگ ان کو روتا چھوڑ کر چلے جاتے تھے اور وہ بعد میں بھی روتے رہتے تھے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کے ذکر مبارک کے ہونے پر بھی بندے کو اسی طرح ادب کا لحاظ کرنا چاہیے۔

محبت کا دوسرا تقاضا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آواز بلند نہ کرنا

عَدَمُ التَّقْدِيْمِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَغَضُّ الصَّوْتِ عِنْدَهٗ

”کہ نبی علیہ السلام کی آواز مبارک سے اپنی آواز کو بلند نہ ہونے دے اور آپ ﷺ کے حکم کے سامنے پیش قدمی نہ کریں“

صحابہ آپ کے آگے نہ چلیں، یہ حکم آج بھی موجود ہے کہ ہم نبی علیہ السلام کے حکم مبارک کے اوپر کسی چیز کو فوقیت نہ دیں، صحابہ کا تو معاملہ اور تھا۔

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا ایک بھتیجا تھا تو وہ انگلی پہ ایک کنکری رکھ کے پھینک رہا تھا، کھیل رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے اس طرح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وہ رک گیا، جب آپ کسی کام میں متوجہ ہوئے تو اس نے پھر اسی طرح پھینکی، بچہ جو تھا۔ اتنا غصہ کیا، فرمایا کہ نہ میں تمہاری تیمارداری کروں گا، نہ میں تم سے بات کروں گا، نہ میں تمہارا جنازہ پڑھوں گا، میں تمہیں اللہ کے حبیب ﷺ کا حکم سناتا ہوں اور تم پھر خلاف کرتے ہو۔ یعنی صحابہ کرام کے نزدیک یہ ایک بہت عجیب بات تھی کہ محبوب ﷺ کا حکم سن کر پھر انسان اس پر لبیک نہ کہے۔

محبت کا تیسرا تقاضا

نبی ﷺ کی نسبتوں کا احترام کرنا

اِعْظَامُ جَمِيْعِ اَسْبَابِهٖ وَاِكْرَامُ مُشَاهِدِهٖ وَاَمْكِنَتِهٖ مِنْ مَّكَّةَ وَ مَدِيْنَةَ

''مکہ و مدینہ اور نبی ﷺ کے ساتھ نسبت رکھنے والی جتنی چیزیں ہیں ان کا بھی اکرام کریں''

چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ کے اندر اپنی سواری کے اوپر سوار نہیں ہوتے تھے۔ کسی نے کہا کہ آپ سوار کیوں نہیں ہو جاتے تو فرمایا کہ

اِسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ اَنْ اَطَاَ تُرْبَةً فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِحَافِرِ دَابَّتِيْ

''مجھے زیب نہیں دیتا کہ جس مٹی پر میرے آقا کے قدم مبارک لگے ہوں میں اس مٹی کو اپنی سواری کے پاؤں کے ساتھ پامال کروں''

ایک بندے نے کہا کہ مدینے کی مٹی اچھی نہیں ہے۔

اَفْتٰى مَالِكٌ فِيْمَنْ قَالَ تُرْبَةُ الْمَدِيْنَةِ رَدِيْئَةٌ يُضْرَبُ ثَلَاثِيْنَ دُرَّةً

''فرمایا تیس درّے لگاؤ اس بندے کو جس نے یہ الفاظ کہے ہیں''

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب مسجد کے قریب آ جاتے:

يَرْفَعُ حِزَائَهُ وَ يَمْشِيْ حَافِيَةً

''جوتے اتار لیتے اور مسجد کے باہر ننگے پاؤں چلا کرتے تھے''

تو معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساتھ نسبت رکھنے والی جو جگہیں ہیں، جو اشیاء ہیں ان کے ساتھ بھی ہمیں احترام کا معاملہ کرنا چاہیے۔

محبت کا چوتھا تقاضا

اہلِ بیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت ہونا

حُبُّ الصَّحَابَةِ وَ اَهْلِ الْبَيْتِ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو شاگرد تھے جو آپ کی نبوت کے گواہ تھے، ان سے نبی علیہ السلام کو بہت محبت تھی اور محبوب کو جو چیز محبوب ہو اس سے محبت ہونی ضروری ہوتی ہے۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ مِنْ بَعْدِيْ غَرَضًا فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ))

''جو میرے صحابہ سے محبت کرے گا، وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا۔''

تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت نبی علیہ السلام سے محبت کی دلیل اور صحابہ سے بغض گویا نبی ﷺ کے ساتھ بغض کی دلیل ہوتی ہے۔ اب سنیے حدیث مبارک نبی ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا:

⊙ فرمایا کہ

((اٰیَۃُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَ آیَۃُ النِّفَاقِ بُغْضُھُمْ))

''انصار سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا یہ نفاق کی علامت ہوتی ہے۔''

تو جو صحابہ سے بغض رکھے دوسرے لفظوں میں وہ منافق ہوا کرتا ہے۔

((اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُ))

جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو خاموش ہو جاؤ

◎ انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَثَلُ اَصْحَابِیْ کَمَثَلِ الْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ))

''میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے''

جس طرح نمک کے بغیر کھانا بے ذائقہ ہوتا ہے، صحابہ کی محبت کے بغیر انسان کا ایمان بے حلاوت ہوا کرتا ہے۔

◎ اور فرمایا:

((مَنْ حَفِظَنِیْ فِیْ اَصْحَابِیْ کُنْتُ لَہٗ حَافِظًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ))

''جو میرے صحابہ کی (عزت و حرمت کی) حفاظت کرے گا قیامت کے دن میں اس شخص کا محافظ بن جاؤں گا۔''

◎ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((مَنْ حَفِظَنِیْ فِیْ اَصْحَابِیْ وَرَدَ عَلَیَّ الْحَوْضَ وَ مَنْ لَّمْ یَحْفَظْنِیْ فِیْ اَصْحَابِیْ لَمْ یَرِدْ عَلَیَّ الْحَوْضَ))

جو میرے صحابہ کی محافظت کرے گا، وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر حاضر ہوا اور جو میرے صحابہ کی حفاظت نہیں کرے گا، اس کو چاہیے کہ میرے پاس حوض کوثر پہ

حاضر نہ ہو۔

◉ حسن فرمایا کرتے تھے:

لِكُلِّ شَيْءٍ أَسَاسٌ وَ أَسَاسُ الْإِسْلَامِ حُبُّ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

”ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور نبی ﷺ کے صحابہ سے محبت کرنا یہ اسلام کی بنیاد ہے“

◉ عبداللہ مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيْهِ نَجَا الصِّدْقُ وَ حُبُّ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ

”دو خوبیاں ایسی ہیں جس بندے کے اندر ہوں گی نجات پا جائے گا، سچائی ہو، اور صحابہ کی محبت ہو“

◉ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

......**مَنْ أَحَبَّ أَبَا بَكْرٍ فَقَدْ أَقَامَ الدِّيْنَ**

”جس نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے دین کو قائم کیا“

...... **وَ مَنْ أَحَبَّ عُمَرَ فَقَدْ أَوْضَحَ السَّبِيْلَ**

”اور جس نے عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کی راستہ واضح ہو گیا“

......**وَ مَنْ أَحَبَّ عُثْمَانَ فَقَدِ اسْتَضَاءَ بِنُوْرِ اللّٰهِ**

”جس نے عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے اللہ کے نور سے حصہ حاصل کر لیا“

......**وَ مَنْ أَحَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ أَخَذَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى**

”اور جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا“

◉ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

لَمْ یُؤْمِنْ بِالرَّسُوْلِ مَنْ لَمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَهٗ

''جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم نہیں کرتا وہ گویا نبی ﷺ پر ایمان ہی نہیں لایا۔''

⊙ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّنِیْ وَاَحَبَّ هٰذَیْنِ وَاَبَاهُمَا وَاُمَّهُمَا کَانَ مَعِیَ فِیْ دَرَجَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ))

''جو مجھ سے محبت کرے اور میرے شہزادوں حسن اور حسین سے محبت کرے اور ان کے والد سے اور ان کی والدہ سے، وہ قیامت کے دن میرے درجے پر میرے ساتھ ہوگا''

تو صحابہ کرام سے محبت کرنا اور اہل بیت سے محبت کرنا یہ بھی نبی ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے۔

محبت کا پانچواں تقاضا

تعلیماتِ نبوی ﷺ پر عمل کرنا

اَلْاِقْتِدَاءُ بِهٖ

انسان ان کی باتوں پر عمل کرے اور ان کی بات کو اپنائے۔

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

محب جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

تَعْصِی الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تَزْعُمُ حُبَّهٗ

هٰذَا لَعَمْرِیْ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعٌ

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَّأَطَعْتَهٗ
إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ

''تو اس کی نافرمانی کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ تو اس سے محبت کرنے والا ہے، یہ بات بالکل خلافِ عقل ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اس کی فرمانبرداری کرتا کیونکہ بے شک محب جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع و فرمانبردار ہوا کرتا ہے۔''

تو ہمیں چاہیے کہ نبی ﷺ کی ایک ایک سنت کے ساتھ اپنے جسم کو مزین کریں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ شادی کے موقع پر دلہن کو سجانے کے لیے زیور پہنائے جاتے ہیں، تو دلہن یہ سمجھتی ہے کہ انگلیوں میں انگوٹھی پہنا دیں گے، انگلیاں خوبصورت ہو جائیں گی۔ بازوؤں میں چوڑیاں پہنا دیں گے بازو خوبصورت بن جائیں گے، کانوں میں بالیاں ڈال دیں گے کان خوبصورت ہو جائیں گے، گلے میں ہار ڈالا گلا خوبصورت۔ اس طرح دلہن یہ سمجھتی ہے کہ جسم کے جس عضو پر سونے کا زیور آ گیا وہ میرے خاوند کی نظر میں زیادہ خوبصورت ہو جائے گا، مومن کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیے کہ میرے جسم کے جس عضو کو سنت سے نسبت ہو گئی سنت کا عمل اس پر سج گیا میرا وہ عضو اللہ کی نظر میں خوبصورت ہو جائے گا۔ اس لیے فرمایا کہ

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (الاعراف:۳۱)

''تم میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کریں گے''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال اطاعتِ رسول ﷺ

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی اس قدر اطاعت کرتے تھے کہ بس حکم سننے کی دیر ہوتی تھی فوراً اس کے اوپر عمل ہوتا تھا۔ کچھ مثالیں سن لیجیے:

◎ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تھے، یہ انس رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ باہر شور ہوا، بیٹے کو کہا کہ انس ذرا جاؤ دیکھو کہ شور کیسا ہے؟ اس نے کہا: ابو جان!

اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ

''شراب کے حرام ہونے کا حکم نازل ہو چکا''

گھر میں کچھ شراب مٹکوں میں پڑی تھی۔ بیٹے کو فرمایا:

اُخْرُجْ فَاَهْرِقْهَا ''جاؤ اور اس شراب کے مٹکے کو توڑ ڈالو۔''

ایک مٹکا پیچھے رہ گیا، اس کے متعلق بھی فرمایا:

يَا اَنَسُ اَرِقْ هٰذَا الْقِلَالَ

''اس کو بھی لے جاؤ اور نالی کے اندر بہا دو''

ایک صاحب جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے کہنے لگے کہ اتنی مدت سے عادت ہے اس کو تو آہستہ آہستہ چھوڑنا چاہیے۔ یہ کہنے لگے کہ:

لَيْسُوْا بِالدَّوَاءِ وَلٰكِنَّهٗ دَاءٌ

''یہ اب دوا نہیں رہی یہ اب بیماری بن گئی ہے''

اب میں اس کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ اس طرح وہ آقا ﷺ کے حکم کو سنتے ہی اپنی طبیعتوں کو فوراً بدل لیا کرتے تھے۔

◎ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں۔ ابھی دروازے میں داخل ہو رہے تھے کہ نبی ﷺ نے جو صحابہ موجود تھے، ان کو فرمایا:

اِجْلِسُوْا تم بیٹھ جاؤ!

جب انہوں نے یہ لفظ سنا تو وہیں بیٹھ گئے۔ کسی نے کہا کہ دھوپ میں کیوں بیٹھ گئے ہیں؟ کہنے لگے کہ جب محبوب ﷺ کے مبارک زبان سے سن لیا کہ بیٹھ جاؤ تو

چاہے دھوپ تھی یا راستہ تھا، میرے پاس کوئی دوسری صورت نہیں تھی کہ میں بات پر عمل نہ کروں۔

◉ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکہ مکرمہ کا سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ سواری کو روکا، نیچے اترے اور ایسے گئے جس طرح انسان کو قضائے حاجت ہوتی ہے وہاں پر ایسے ہی تھوڑی دیر بیٹھ گئے اور واپس آ گئے، قضائے حاجت سے فارغ نہیں ہوئے۔ ساتھی نے کہا کہ آپ کیوں رکے؟ تو فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سفر کیا تھا، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ پر آ کر رکے تھے اور آپ نے فراغت اختیار کی تھی، مجھے اگرچہ ابھی ضرورت نہیں تھی لیکن میرا جی چاہا کہ میں اسی عمل کو اپناؤں جس کو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ تو صحابہ والہانہ طور پر ہر عمل اسی طرح کرنے کے عادی تھے۔

◉ نبی علیہ السلام نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ یہ باب النساء ہے، عورتیں اس دروازے سے مسجد نبوی میں آتی جاتی ہیں، کتنا اچھا ہو کہ عورتیں ہی آئیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ لفظ سنا تو فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اپنی پوری زندگی اس دروازے سے کبھی مسجد کے اندر داخل نہیں ہوا۔ عورتیں ہوں یا نہ ہوں چونکہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت تھی کہ یہاں سے عورتیں اندر داخل ہوں۔ یہ صحابہ کی اتباع سنت کا رنگ تھا۔

اکابر علمائے دیوبند کی اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

آپ سوچ رہے ہوں گے وہ تو صحابہ تھے، بڑی شان والے لوگ تھے، امت میں ہر دور میں ایسے لوگ رہے ہیں جو کہ صحابہ کا نمونہ تھے۔ ان کی روحانی اولاد، ان کے جانشین، ان کے وارث، وہ نبی علیہ السلام کی سنتوں پر اسی طرح محبتوں کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ اگر قریب کے زمانے میں دیکھنا ہے تو اکابر علمائے دیوبند کی اتباع سنت

کو دیکھ لیجیے کہ اللہ رب العزت نے ان کو یہ صفت دی تھی کہ ہر باطل سے ٹکراتے تھے، جلالِ شاہی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، سنت کو پیٹھ نہ دکھانا اور الفت کے ساتھ اطاعت کا پیکر بن جانا، یہ ان کی شان ہوا کرتی تھی۔ کچھ مثالیں دیکھیں:

◉ آیئے اس قافلہ کے امام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھیے! فرنگی نے پولیس پیچھے لگا دی کہ پکڑ کر پھانسی چڑھا دیا جائے۔ تین دن آپ روپوش رہتے ہیں اور تین دن کے بعد پھر باہر آجاتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! جان کا معاملہ ہے چھپ جایئے۔ فرمانے لگے: میں نے اپنے آقا ﷺ کی مبارک زندگی پر نظر دوڑائی تو مجھے غارِ ثور میں تین دن رات روپوشی کے نظر آتے ہیں، میں نے سنت پر عمل کر لیا، اب اگر کوئی پکڑ کر پھانسی بھی چڑھا دے گا تو قاسم کی جان حاضر ہے۔

◉ آیئے اس قافلہ کے ایک اور بزرگ جو اپنے وقت کے فقیہ تھے، گنگوہ میں رہنے والے، حضرت گنگوہی کی زندگی کو دیکھیے۔ آخری وقت میں ''موتیا بن'' آنے کی وجہ سے بینائی چلی گئی تھی مگر اس کے باوجود رات کو سرمہ لگا رہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ سرمہ تو بینائی کے لیے لگایا جاتا ہے کہ تیز ہو جائے۔ تو فرمایا کہ آپ بینائی تیز کرنے کے لیے لگاتے ہوں گے میں تو سنت سمجھ کر لگا رہا ہوں، اگرچہ بینائی سے محروم ہوں مگر میں سرمے کی سنت پر عمل تو کر لوں۔

◉ اسی قافلہ کے ایک اور بزرگ جو مالٹا کی جیل میں قید ہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھیے، جیل کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں اور جیل کے لوگوں کو حدیث اور تفسیر پڑھا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے روحانی فرزند ہونے کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

◉ آیئے علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک زندگی کو دیکھیے کہ نبی ﷺ کے ساتھ ایسی

محبت تھی کہ بے وضو قرآن اور حدیث تو اپنی جگہ کسی بھی دینیات کی کتاب کو زندگی میں ہاتھ نہیں لگایا کرتے تھے۔

◉ تھانہ بھون کے اس بزرگ کی زندگی کو دیکھیے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی کے ماضی پر نظر دوڑائی مجھے ایک بھی عمل ایسا نظر نہیں آیا جو میں نے اپنے آقا ﷺ کی سنت کے خلاف کیا ہو۔

◉ ایک اور بزرگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی مسجد میں ایک واعظ اور خطیب کے طور پر قبولیت عطا فرمائی، جنہوں نے اٹھارہ سال مسجد نبوی میں بیٹھ کر درس دیا اور حدیث پڑھتے وقت فرمایا کرتے تھے: ''قَالَ صَاحِبُ هٰذَا الْقَبْرِ ﷺ'' ان کی مبارک زندگی کو دیکھیے کہ وہ اپنی ریش مبارک سے روضۂ انور کے باہر کی جگہ پر جھاڑو دے رہے ہیں کہ جس کی یہ سنت ہے اسی کی حرمت پر میں یہ قربان کر رہا ہوں۔

پھر جب دار العلوم واپس لوٹ کر آئے، تو دار العلوم کے باغ کے اندر جہاں لوگ پھول لگاتے تھے، انہوں نے کیکر کا درخت لگوایا۔ طلبا حیران ہوئے، حضرت! یہ باغیچہ ہے، یہاں تو پھول لگنے چاہئیں تھے، آپ کیکر کا درخت لگوا رہے ہیں۔ فرمایا: ہاں! میں نے کیکر کا درخت اس لیے لگوایا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ میرے آقا ﷺ نے بیعت رضوان جس درخت کے نیچے لی تھی وہ کیکر کا درخت تھا، میری نظر اس کے کانٹوں پہ پڑے گی مجھے میرے آقا ﷺ کی یاد دلایا کرے گی۔

◉ آیئے اس قافلہ کے ایک اور نحیف و ناتواں بزرگ کو دیکھیے جو اپنے بستر کو اپنی پیٹھ پر رکھ کے ہر ہر امتی کے دروازے پہ جانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے اور لوگوں سے بھیک مانگتا ہے کہ اپنے آقا کے دین کو سیکھنے کے لیے کچھ وقت عطا کر دیجیے، یہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ انہوں نے دعوت و تبلیغ کی محنت شروع کی، اللہ نے ایسا فیض پھیلایا کہ آج کروڑوں انسان اس دعوت و تبلیغ کی وجہ سے ہدایت پا چکے ہیں۔

◎ پھر آیئے لاہور کے اس شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیے جو ایک سکھ کے بیٹے تھے، اللہ نے ایمان لانے کی سعادت عطا فرمائی۔ فرماتے تھے کہ اللہ کی شان بہت بڑی ہے، وہ چاہتے ہیں تو سید کے بیٹے سے ہیر لکھواتے ہیں اور ایک سکھ کے بیٹے سے تفسیر لکھوا دیا کرتے ہیں۔

◎ اور خطیب بے بدل حضرت عطاء شاہ اللہ بخاری کی زندگی کو دیکھیے کہ فرنگی نے ان کو جیل میں ڈال دیا، ان کے ہاتھ چکی پیس رہے ہیں اور ان کی زبان اللہ کا قرآن پڑھ رہی ہے۔

تو یہ اکابر وہ تھے جو نبی ﷺ کی ایک ایک سنت پر محبت کے ساتھ عمل کرتے تھے۔

محبت کا چھٹا تقاضا

نبی ﷺ سے بغض رکھنے والے سے بغض ہونا

بُغْضُ مَنْ اَبْغَضَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ

"کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ بغض ہو تو اس کے ساتھ دل کے اندر بغض رکھنا"

جب محبت ہو تو جو محبوب سے محبت رکھے وہ اچھا لگتا ہے اور جو بغض رکھے وہ برا لگتا ہے۔ اس کی آسان سی مثال۔ ماں کو بیٹا جب ملتا ہے تو اس کی محبتوں کے پیمانے بدل جاتے ہیں، جو اس کے بیٹے کو پیار کرے وہ اسے اچھا لگتا ہے اور جو بیٹے سے پیار نہ کرے وہ اچھا نہیں لگتا۔ بالکل اسی طرح جو نبی ﷺ سے محبت کرے وہ ہماری آنکھ کا تارہ اور اگر کسی کے دل میں نبی ﷺ سے بغض ہے تو ہمارا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

◎ چنانچہ غزوۂ بنی مصطلق سے جب واپس آنے لگے تو اس وقت رئیس المنافقین عبد

اللہ ابن ابی نے یہ کہا کہ

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ

''جب ہم مدینہ پہنچیں گے، عزت والے ذلیل کو نکال دیں گے۔''

ان کے بیٹے نے یہ الفاظ سنے تو جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو جہاں مدینہ کا مدخل تھا، وہ وہاں جا کر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ والد کو وہیں روک لیا، کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ عزت والے ذلیل ﷺ کو نکال دیں گے، اب آپ کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں، اگر آپ داخل ہوئے تو میں گردن اڑا کے رکھ دوں گا جب تک کہ آقا ﷺ تمہیں داخلے کی اجازت نہیں دیتے۔ نبی ﷺ کو پتہ چلا تو فرمایا:

اِنِّيْ اَذِنْتُ لِاَبِيْكَ فَكُفَّ عَنْهُ

''میں نے تیرے باپ کو اجازت دے دی سو ان پر ہاتھ مت اٹھاؤ''

تب انہوں نے اپنے والد کو مدینہ میں داخل ہونے دیا۔ یہ ہے کہ جس کو نبی علیہ السلام سے محبت وہ ہمارا محبوب اور جس کو نبی علیہ السلام سے محبت نہیں ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

- بدر کا میدان ہے، دشمن کی صفوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبدالرحمن بھی موجود ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اجازت مانگی کہ آقا! عبدالرحمن آیا ہے مجھے جانے دیجیے کہ اس کا کام تمام کروں۔ میرے آقا ﷺ ابوبکر کو روک لیتے ہیں۔
- بدر کے میدان میں ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے حقیقی والد آتے ہیں، وہ اپنے حقیقی والد کی زندگی کا معاملہ نمٹا دیتے ہیں کہ تو میرے آقا ﷺ کا دشمن بن کر آیا ہے۔
- عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خالو عاص بن ہشام آئے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے خالو کا مقابلہ کیا۔ وہ کہنے لگے: تو تو میرا بھتیجا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے آقا ﷺ کی محبت

کے سامنے سب رشتے داریاں ہیچ ہیں۔

⊙ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن اپنے باپ عتبہ بن ربیعہ کو مقابلے کے لیے طلب کیا، مگر وہ مقابلے کے لیے نہ آیا۔

⊙ مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے سگے بھائی کو بدر کے دن تہ تیغ کیا، کیوں کہ تم میرے آقا کی دشمنوں کی صف میں میرے سامنے آئے ہو؟

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے اپنے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایمان لانے سے پہلے بیٹی کو ملنے آتے ہیں، ⊙ چارپائی پر بیٹھنا چاہتے ہیں، بستر کو لپیٹ دیتی ہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں: بیٹی! باپ کے آنے پر بستر بچھاتے ہیں، بستر سمیٹتے نہیں۔ فرماتی ہیں: آپ نے صحیح کہا، لیکن میرا دل نہیں چاہتا کہ ایک مشرک میرے آقا ﷺ کے بستر کے اوپر آکر بیٹھ جائے۔

تو یہ بھی ایک ایمانی غیرت ہوا کرتی ہے کہ آقا ﷺ کے محبوب سے محبت کرنا اور جو آقا ﷺ سے دشمنی کرنے والے ہوں تو پھر انسان کے دل کے اندر بغض کا ہونا یہ محبت کے تقاضوں میں سے ہے۔

محبت کا ساتواں تقاضا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کثرت سے کرنا

كَثْرَةُ ذِكْرِهٖ

کہتے ہیں کہ

مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ

''جو کسی سے محبت کرتا ہے تو اکثر اس کا تذکرہ کرتا ہے''

مثال کے طور پر اللہ رب العزت کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت ہے تو اللہ رب العزت نے اپنی ہر کتاب میں محبوب کا تذکرہ کیا۔ تورات میں بھی تذکرہ، زبور میں بھی تذکرہ، انجیل میں بھی تذکرہ اور قرآن مجید میں بھی تذکرہ۔ قرآن مجید میں تو جس صفحے کو بھی پڑھو کہیں نہ کہیں نبی ﷺ کی مدح اور ثنا نظر آتی ہے۔ چنانچہ ہمیں بھی چاہیے کہ نبی سے محبت کی وجہ سے انہیں کثرت سے یاد کریں۔

سنتِ نبوی ﷺ پر عمل نبی ﷺ کی یاد کی مانند ہے:

حقیقت یہ ہے کہ آقا ﷺ تو انسان کو زندگی بھر یاد ہوتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہوئے سنت یاد، اٹھتے ہوئے سنت یاد، لیٹتے ہوئے سنت یاد، جو سنت پر عمل کرنے والے ہیں، مسنون دعاؤں کو پڑھ کر زندگی گزارنے والے ہیں، ان کے سامنے تو ہر وقت ہی آقا ﷺ کی ذات بابرکات رہتی ہے۔ حیران ہوتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت چاہتے ہیں کہ نماز میں تو اللہ کا دھیان دل میں جماؤ اور نماز کے علاوہ باقی پورا وقت میرے محبوب ﷺ کا دھیان دل میں جمائے رکھو۔ آقا ﷺ کی یاد ہر وقت دل کو تڑپاتی رہے۔

⊙ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں ایک دفعہ خطبہ دینے کے لیے بیٹھے تو فرمایا:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ الْعَامَ الْاَوَّلَ فَبَكٰى

''میں نے نبی ﷺ سے ایک سال سنا اور پھر اس پر رو پڑے اور سر نیچے کر لیا''

پھر فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے یہ سنا، جب آقا ﷺ کا تذکرہ کرتے تھے آنکھوں سے آنسو آ جاتے تھے اور سر جھکا لیتے تھے۔ تین مرتبہ ایسا ہوا۔ محبوب ﷺ کا نام مبارک زبان سے نکلتا تھا، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جایا کرتی تھی۔

نبی ﷺ کے ساتھ محبت کا یہ حال تھا کہ منیٰ میں ہیں ایک عورت نے پوچھا: مَنْ اَنْتَ۔ فرمایا: ابوبکر۔ اس نے کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

اس پر آپ رو پڑے، اس لیے کہ اس نے نبی ﷺ کی نسبت سے آپ کے نام کو پکارا تھا۔

◉ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سو گیا، سن ہو گیا، کسی نے کہا:

اُذْكُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیْكَ یَزُلْ عَنْكَ

کہ جو آپ کو انسانوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے اس کا نام لیں۔ تو یہ آپ کا پاؤں ٹھیک ہو جائے گا۔ تو کہنے لگے: یا محمداہ۔ اللہ اکبر بے اختیار آقا ﷺ کا نام زبان سے نکلا: فَانْتَشَرَتْ چنانچہ پاؤں ٹھیک ہو گیا، انہوں نے اس کو پھیلا دیا۔

◉ بلال رضی اللہ عنہ نے آقا ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد اذان دینا ہی چھوڑ دی تھی کہ میں پہلے اذان دیا کرتا تھا اور اب میں اگر اذان دوں گا اور اپنے آقا ﷺ کا چہرۂ انور نہیں دیکھوں گا تو میں اس کو برداشت نہیں کر سکوں گا۔ پھر اس کے بعد ایک مرتبہ انہوں نے مسجدِ نبوی ﷺ میں آذان دی وہ بھی اسلیے کہ دو شہزادے سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے تقاضا کیا کہ ہمیں نانا جان کے زمانے کی آذان سنایئے۔ تو بلال رضی اللہ عنہ نے آذان دینی شروع کی، جس نے وہ آواز سنی جو میرے آقا ﷺ کے زمانے میں سنا کرتے تھے، ہر مرد کی آنکھوں سے آنسو تھے۔ ہمسائے کی عورتوں نے سنا وہ بھی اپنی چادروں سے اپنے آپ کو لپیٹ کر باہر نکل آئیں، مسجد نبوی کے باہر عورتیں رو رہی ہیں، اندر مرد رو رہے ہیں۔ اور اس وقت معاملہ عجیب ہوا جب ایک بچے نے کہا کہ اماں اتنے عرصے کے بعد بلال تو واپس آ گئے، ہمارے آقا ﷺ کب واپس آئیں

گے۔

⦿ صحابہ جب آپس میں اکٹھے ہوتے تھے تو ایک دوسرے کو نبی ﷺ کی باتیں اس طرح سناتے تھے جیسے خوش خوش محفل کے لوگ بیٹھ کر آپس میں کوئی سویٹ ڈش سے لطف اندوز ہو رہے ہوں، اس محبت کے ساتھ وہ اپنے آقا ﷺ کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

محبت کا آٹھواں تقاضا

شوقِ ملاقات

كَثْرَةُ شَوْقِهٖ اِلٰى لِقَائِهٖ

نبی علیہ السلام سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ سے ملنے کا شوق ہو، تڑپ ہو۔ جب محبت ہوتی ہے تو انسان کا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے محبوب سے ملاقات کروں۔ چنانچہ ہر مومن کے دل میں یہ تمنا چھپی ہوتی ہے مجھے آقا ﷺ کا دیدار نصیب ہو، مجھے آقا ﷺ سے ملاقات کا شرف نصیب ہو جائے۔ دنیا کے اندر خواب میں ہی سہی اور آخرت میں آپ کے قدموں میں حاضری کے ذریعے سے ہو۔

شرفِ ملاقات مال واولاد کی قیمت پر:

چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ لِیْ حُبًّا نَاسٌ یَکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ ، یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ رَاٰنِیْ بِاَهْلِهٖ وَ مَالِهٖ))

کہ مجھ سے میری امت میں سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے۔ جو میرے بعد آئیں گے، وہ مجھے نہیں دیکھیں گے، فقط علما سے میرے تذکرے

سنیں گے۔ میرا تذکرہ سن کر ان کو مجھ سے ایسی محبت ہو گی کہ اگر ان کو اختیار دیا جاتا کہ وہ اپنے مال اور اپنے بچوں کو بیچ کر میرا دیدار کر سکتے، وہ یہ سودا بھی کر گزرتے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام رو رو کر دعا کر رہے ہیں، اللہ! مجھے میرے احباب سے جلدی ملا دینا۔ ثوبان رضی اللہ عنہ اس وقت حاضر تھے، فرمانے لگے: اے اللہ کے نبی ﷺ ہم آپ کے غلام بے دام، ہر وقت حاضر باش رہتے ہیں، آپ کن کے لیے یہ دعا کر رہے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ثوبان تم مجھ سے محبت رکھتے ہو، تمہارا ایمان بڑا قیمتی، مگر تم نے تو میرا چہرہ دیکھا، تم نے جبرئیل علیہ السلام کو آتے دیکھا، اللہ کا قرآن اترتے دیکھا، میں جن لوگوں کے لیے اداس ہوں اور دعا کر رہا ہوں۔ ثوبان! یہ وہ لوگ ہیں کہ میں جب دنیا سے پردہ کر جاؤں گا، اس وقت دنیا میں پیدا ہوں گے، انہوں نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا، وہ فقط اپنے علما سے میری سیرت میرا تذکرہ سنیں گے، میرے فضائل کا تذکرہ سنیں گے اور غائبانہ تذکرہ سن کر ان کو مجھ سے اتنی محبت ہو جائے گی کہ ثوبان اگر انہیں اختیار دیا جاتا کہ مال اولاد سب دے کر اگر میری زیارت کرتے تو وہ یہ کام کر گزرتے، میں ان کے لیے دعا کر رہا ہوں۔

خالد بن معدان رضی اللہ عنہ کا شوقِ ملاقات:

عبدہ رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں، فرماتی ہیں کہ میرے والد خالد بن معدان جب بستر پر آ کر لیٹتے تو نبی علیہ السلام کو یاد کرتے، صحابہ کو یاد کرتے اور کہتے:

هُمْ أَصْلِيْ وَ فَصْلِيْ وَ إِلَيْهِمْ يَحِنُّ قَلْبِيْ طَالَ شَوْقِيْ إِلَيْهِمْ فَعَجِّلْ رَبِّ قَبْضِيْ إِلَيْكَ

"وہ میرے اصل ہیں اور فصل ہیں، ان کی طرف میرا دل کھنچتا ہے۔ اللہ! میری روح کو قبض کر لیجیے تاکہ مجھے ان کے ساتھ ملاقات نصیب ہو جائے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شوقِ ملاقات

عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینے کی گلیوں میں حالات معلوم کرنے کے لیے گشت فرما رہے ہیں، ایک بڑھیا نبی ﷺ کی محبت میں شعر کہہ رہی ہے:

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلٰوۃُ الْاَبْرَارِ
صَلّٰی عَلَیْهِ الطَّیِّبُوْنَ الْاَخْیَارُ
یَا لَیْتَ شِعْرِیْ وَالْمَنَایَا اَطْوَارُ
هَلْ تَجْمَعُنِیْ وَ حَبِیْبِیْ الدَّارُ

عمر رضی اللہ عنہ دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ بوڑھی عورت پوچھتی ہے: من انت کون ہے؟ کہنے لگے: عمر۔ کہنے لگی: امیر المومنین! آپ رات کے وقت ایک بوڑھی عورت کے دروازے پر؟ دروازہ کھولا، امیر المومنین اندر آ جایئے۔ امیر المومنین اندر آتے ہیں عرض کیا چارپائی پر بیٹھ جایئے، فرمایا: نہیں بیٹھوں گا۔ کیوں؟ میرے ساتھ ایک وعدہ کرو۔ بڑھیا کیا وعدہ کرے؟ بس میرے ساتھ ایک وعدہ کرلو پھر چارپائی پر بیٹھوں گا۔ اس نے کہا: امیر المومنین! بتائیں؟۔ فرمایا: وعدہ یہ کرو کہ جو اشعار آپ نے پڑھے، ان کے آخر میں یہ مضمون تھا۔ اللہ! مجھے قیامت کے دن میرے محبوب ﷺ کے ساتھ اکٹھا فرما دے، اس شعر میں تبدیلی کر کے عمر کا نام بھی اس میں شامل کرلو کہ یا اللہ! مجھے اور عمر کو قیامت کے دن اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ اکٹھا فرما دیجیے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی ﷺ کے ساتھ ایسی محبت تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا شوقِ ملاقات:

چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آخری وقت ہے، بیوی کہتی ہے:

وَا وُ حَزَنَاهُ   ہائے افسوس

تو اس وقت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَاوُ طَرَبَاهُ غَدًا الْقِی الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدٍ وَ حِزْبَهٗ

"کیا خوشی کی بات ہے آج موت آئے گی، کل نبی ﷺ اور ان کے صحابہ کے ساتھ ملاقات ہو جائے گی"

یہ حضرات ایسے تھے۔ چنانچہ امت کے اولیا کا بھی یہی طریقہ رہا کہ نبی ﷺ کی محبت دل کو گرماتی تھی اور ان کے دل میں شوق ملاقات بڑھا دیتی تھی۔

چنانچہ پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

اج سک متراں دی ودھیری اے
کیوں دلڑی اداس گھنیری اے
لوں لوں وچ شوق چنگیری اے
اج نیناں نیں لائیاں کیوں جھڑیاں

مکھ چمن بدر شاشانی اے
متھے چمکے لاٹ نورانی اے
کالی زلف تے اکھ مستانی اے
مخمور اکھیاں ہن مد بھریاں

اس صورت نوں میں جان آکھاں
جان آکھاں کہ جان جہان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
جس شان توں شاناں سب بنیاں

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

حضرت شاہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اِتھے میں مٹھڑی نت جان بلب
اتھے خوش وسدا وچ ملک عرب
اتے دھکڑے دھوڑے کھانڈڑی آں
تیڈے نام توں مفت وکانڈڑی آں
تیڈی باندیاں دی میں باندڑی آں
تیرے در دے کتیاں نال ادب
اِتھے میں مٹھڑی نت جان بلب۔

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ محبت کا ہونا اور آپ ﷺ کی یاد دل میں آنا اور ملاقات کا شوق ہونا یہ بھی محبت کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہے۔

محبت کا نواں تقاضا

نبی ﷺ کی امت کا غم

اَلشَّفْقَةُ عَلٰى اُمَّتِهٖ وَالسَّعْىُ فِىْ مَصَالِحِهِمْ كَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ ﷺ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ الرَّحِيْمُ

جس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت سے محبت و شفقت تھی جس کو نبی ﷺ سے محبت ہوگی وہ بھی امت کے ساتھ رافت و رحمت والا بن جائے گا۔ جو غم نبی علیہ السلام کے دل میں تھا وہ غم اس کے دل میں آئے گا۔ نبی ﷺ کے دل میں امت کا غم تھا، آپ امت کے لیے دعائیں فرمایا کرتے تھے، غم زدہ رہا کرتے تھے، یہ غم اس عاشق کے دل میں

منتقل ہوتا ہے، یہ اس کی نبی ﷺ سے محبت کی سچی دلیل ہوا کرتی ہے۔

امت کا غم کھانے والوں کا درجہ:

چنانچہ ایک حدیث مبارکہ سن لیجیے! انس رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا اُخْبِرُكُمْ عَنْ اَقْوَامٍ لَيْسُوْا بِاَنْبِيَاءَ وَ شُهَدَاءَ))

"میں تمہیں ایسے لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں کہ نہ وہ انبیا ہوں گے نہ وہ شہدا ہوں گے"

((يَغْبِطُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْاَنْبِيَاءُ وَ الشُّهَدَاءُ بِمَنَازِلِهِمْ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى مَنَابِرٍ مِنْ نُوْرٍ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهَا))

مگر قیامت کے دن انبیا اور شہدا اللہ کی طرف سے ان کے بلندی درجات پر رشک کر رہے ہوں گے، اور نور کے منبروں پر ہوں گے۔

قَالُوْا وَ مَنْ هُمْ؟

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا اے اللہ کے حبیب ﷺ! وہ لوگ کون ہوں؟

قَالَ، اَلَّذِيْنَ يُحَبِّبُوْنَ عِبَادَ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ وَ يُحَبِّبُوْنَ اللّٰهَ اِلٰى عِبَادِهٖ

"وہ لوگ جو بندوں کو اللہ کا محبوب اور اللہ کو بندوں کا محبوب بناتے ہیں۔"

وَ هُمْ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ نُصَحَاءَ

"اور ناصح بن کر زمین کے اندر چلتے ہیں"

قَالَ قُلْنَا يُحَبِّبُوْنَ اللّٰهَ اِلٰى عِبَادِ اللّٰهِ فَكَيْفَ يُحَبِّبُوْنَ عِبَادَ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ

"صحابی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! اللہ کو بندوں کا

محبوب بناتے ہیں اور یہ بات سمجھ میں آتی ہے بندوں کو اللہ کا محبوب کیسے بناتے ہیں؟"

قَالَ يَأْمُرُوْنَهُمْ بِحُبِّ اللّٰهِ وَيَنْهَوْنَهُمْ

"نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا: وہ لوگوں کو امر کرتے ہیں اللہ کی محبت کا اور ان کو گناہوں سے منع کرتے ہیں"

اس لیے کہ جو گناہوں سے بچے گا، اللہ کی فرمانبرداری کرے گا، وہ اللہ رب العزت کا محبوب بن جائے گا۔

تو جو لوگ دین کا کام کرنے والے لوگ ہیں ان کو اللہ قیامت کے دن وہ درجات دیں گے کہ شہدا اور انبیا بھی ان کے اوپر رشک کریں گے۔

بے غرض محبت:

آقا ﷺ کے دل میں امت کا غم انتہا درجے کا تھا! اسی کو تو محبت کہتے ہیں۔ محبت کیا ہوتی ہے؟ اگر آپ لوگوں سے پوچھیں گے تو جواب ملے گا اپنی غرض کو پورا کرنا، اپنے مقصد کو پورا کرنا۔ چنانچہ دنیا کی جتنی محبتیں ہیں سب کے پیچھے مقصد اور غرض ہوتی ہے، بھلے ماں باپ کی محبت ہو، اولاد کی محبت ہو، میاں بیوی کی محبت ہو، بھائی بھائی کی محبت ہو، حتیٰ کہ استاد اور شاگرد کی محبت ہو۔ شاگرد کو غرض کہ علم حاصل کروں اور استاد کو غرض کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے گا، تو غرض تو ہر جگہ ہوتی ہے۔ کوئی محبت دنیا میں ایسی نہیں ملے گی کہ جس میں غرض نہیں ہو گی۔ ہاں ذرا تاریخ سے پوچھو کوئی محبت ایسی بھی تھی جو بے غرض ہو تو تاریخ ہمیں چودہ سو سال پیچھے لے جائے گی۔ رات کا وقت ہے، حجرہ ہے، ایک ہستی سجدے کے اندر گری ہوئی، بھیگی آنکھیں ہیں، جسم حرکت نہیں کر رہا، ایک لفظ بار بار کہہ رہی ہے یا رب امتی امتی یا رب امتی امتی

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے آقا ﷺ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ مجھے یہ وہم گزرا کہ کہیں روح پرواز تو نہیں کر گئی، میں قریب آئی، میں نے پاؤں کے انگوٹھے کو ہلا کر دیکھا، اللہ اکبر! اتنا لمبا سجدہ! امت کے لیے رو رہے ہیں۔ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا امت بخشے جانے سے ان کے درجے بلند ہوں گے، نہیں! اللہ ان کو پہلے ہی رضا کا پروانہ دے چکے کہ میرے محبوب:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾

''اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے''

جس کو رضا کا پروانہ مل گیا، بخشش کی خوشخبری مل گئی، وہ کیوں امتی امتی کہہ رہے ہیں۔ پتہ چلا کہ امت کے ساتھ رأفت تھی، رحمت تھی۔

كَانَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ

''وہ مومنین کے ساتھ رؤوف بھی تھے رحیم بھی تھے''

اس بنا پر امت کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ آپ کوئی ایسے ماں باپ نہیں دکھا سکتے جو اولاد کی خاطر تیئس سال روتے رہیں ہوں، اگر کوئی تیئس سال رویا تو وہ میرے آقا ﷺ ہیں جو امت کی خاطر تیئس سال روئے۔

آخر وقت تک امت کا غم:

حتیٰ کہ ملک الموت آتے ہیں، کہتے ہیں: اے آقا ﷺ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے یاد فرمایا۔ میرے آقا ﷺ پوچھتے ہیں: ملک الموت! پہلے یہ پوچھ کر بتا دو کہ میرے بعد میری امت کا کیا حال ہوگا؟ اللہ رب العزت نے جواب میں فرمایا کہ ہم آپ کی امت کو تنہا نہیں چھوڑیں گے، نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اب اس بات کو سن کر میں اپنے مولیٰ سے ملاقات کے لیے تیار ہوں۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو جو غم دیا اس غم کو دل میں بٹھانا اور اس غم میں زندگی گزارنا، یہ اللہ رب العزت کے محبوب کے ساتھ محبت کی پکی دلیل ہے۔

محبت کا دسواں تقاضا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر کثرت سے درود شریف پڑھنا

كَثْرَتُ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامِ

نبی علیہ السلام پر کثرت سے درود شریف پڑھنا

یہ بھی محبت کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (سورۃ الاحزاب:۵۶)

تو ہم بھی درود شریف پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

کتنا درود شریف پڑھیں؟

سید القراء ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

كَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِيْ

اے اللہ کے نبی ﷺ! میں کتنا درود شریف پڑھوں؟

قَالَ مَاشِئْتَ فرمایا: جتنا پڑھو گے فائدہ ہوگا۔

فرمایا: میں تیسرا حصہ آپ پر درود شریف پڑھوں گا۔

فرمایا: زیادہ پڑھو گے تو زیادہ اجر ملے گا۔

پھر انہوں نے فرمایا کہ آدھا حصہ آپ پر درود شریف پڑھوں؟

فرمایا: زیادہ پڑھو گے تو اور زیادہ اجر ملے گا۔

اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں دو تہائی آپ پر درود شریف پڑھوں گا۔

فرمایا: اور بڑھاؤ گے تو اور زیادہ فائدہ ہوگا۔

اس پر انہوں نے فرمایا:

اَجْعَلُ لَکَ دُعَائِیْ کُلَّهٗ

"میں اپنا سارا وقت آپ پر درود شریف میں گزاروں گا"

نبی ﷺ نے فرمایا:

اِذًا یُغْفَرُ ذَنْبُکَ وَ تُکْفٰی هَمُّکَ

اگر تو ہر وقت مجھ پر درود شریف پڑھے گا، اللہ تیرے گناہوں کو معاف فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ تیرے غموں کو کافی ہو جائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

وَاللّٰهِ لَوْلَا مَا ذَکَرَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ فِیْ فَضْلِ التَّسْبِیْحِ وَ التَّکْبِیْرِ لَجَعَلْتُ کُلَّ اَنْفَاسِیْ صَلَاةً عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

"اللہ کی قسم اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تسبیح اور تکبیر تحلیل اور تحمید کے فضائل نہ بیان کیے ہوتے۔ میں اپنے ہر سانس کو نبی ﷺ پر درود شریف پڑھنے کے اندر خرچ کر دیتا"

درود شریف قبولیتِ اعمال کے لیے شرط ہے:

ایک حدیث پاک میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

اَلدُّعَاءُ وَ الصَّلَاةُ مُعَلَّقٌ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ فَلَا یَصْعَدُ اِلَی اللّٰهِ

مِنْهُ شَیْءٌ حَتّٰی یُصَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ ﷺ

''کہ عمل اس وقت تک آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتا ہے۔ جب تک کہ نبی ﷺ کے اوپر درود شریف نہ پڑھا جائے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((مَنْ نَسِیَ صَلٰوۃً عَلَیَّ نَسِیَ طَرِیْقَ الْجَنَّۃِ))

''جو مجھ پر درود شریف پڑھنا بھول گیا، وہ حقیقت میں جنت کے راستے کو بھول گیا ہے''

درود شریف نبی علیہ السلام کی قربت کا ذریعہ ہے:

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا۔

اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً

''جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا''

ایک نوجوان صحابی آئے تو نبی علیہ السلام کے پاس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ آپ نے اپنے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان جگہ بنا دی، وہ نوجوان آ کر بیٹھ گئے۔ فرمایا: ابوبکر! تمہیں محسوس تو ہو رہا ہوگا کہ یہ درمیان میں بیٹھ گئے۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں چاہتا تو یہی ہوں کہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی نہ آئے۔ فرمایا: اس نوجوان کو جو جگہ ملی اس لیے کہ یہ ایسا درود شریف پڑھتا ہے جو میرے امتیوں میں سے کوئی دوسرا نہیں پڑھتا۔ یہ درود شریف پڑھتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَنْ صَلّٰی عَلَیْہِ وَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیْہِ وَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا اَمَرْتَ بِالصَّلٰوۃِ

عَلَيْهِ وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ اَنْ يُّصَلّٰى عَلَيْهِ وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا يَنْبَغِىْ اَنْ يُّصَلّٰى عَلَيْهِ

اس درود شریف کے پڑھنے پر اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کو اپنے ساتھ بٹھایا اور ان کا اکرام فرمایا۔

درود شریف مغفرت کا ذریعہ:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَلصَّلٰوةُ عَلَى النَّبِيِّ اَمْحَقُ لِلذُّنُوْبِ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ لِلنَّارِ

''ٹھنڈا پانی آگ کو اتنا جلدی نہیں بجھاتا جتنا جلدی درود شریف جو میرے آقا پر پڑھا جاتا ہے، وہ انسان کے گناہوں کی آگ کو بجھا دیتا ہے''

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کتاب کے اندر میرے نام کے ساتھ درود شریف لکھے گا، جب تک وہ کتاب رہے گی، اس پر فرشتے اس کی طرف سے استغفار کرتے رہیں گے۔

ایک حدیث شریف میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کے دن تین بندے ہوں گے جن کو اس روز عرش کا سایہ نصیب ہوگا جب اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

مَنْ خَرَجَ عَنْ مَكْرُوْبِ اُمَّتِىْ

ایک جو میرے مصیبت زدہ امتی کے لیے نکلا۔

وَ مَنْ اَحْيَا سُنَّتِىْ

اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا۔

اور ایک وہ ہوگا

مَنْ اَكْثَرَ صَلٰوةً عَلَىَّ

جو مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھنے والا ہوگا۔

درود شریف پڑھنے کے مواقع

وہ جگہیں یا وہ مواقع جہاں درود شریف پڑھنا چاہیے۔

○ دُخُوْلُ الْمَسْجِدِ وَ خُرُوْجٌ مِّنْه

مسجد میں داخل ہونا یا نکلنا۔

وَ التَّشَهُّدُ تشہد میں پڑھتے ہیں۔

○ وَ رُؤْيَةُ الْمَسَاجِدِ

مساجد کو دیکھیں تو درود شریف پڑھیں۔

○ دُخُوْلُ الْاَسْوَاقِ

اگر بازار میں جائیں تو درود شریف پڑھیں۔

○ دُخُوْلُ الْبَيْتِ وَ الْخُرُوْجُ مِنْهُ

گھر میں داخل ہوتے ہوئے گھر سے نکلتے ہوئے درود شریف پڑھیں۔

○ نِسْيَانُ الْحَاجَةِ

کوئی بات بھول گئی درود شریف پڑھیں۔

○ وَقْتُ الْفَقْرِ

اگر تنگدستی ہے تو درود شریف پڑھیں۔

○ فِي الْبَدَايَةِ فِي الْعِلْمِ

اگر علم پڑھنے کے لیے، کتاب پڑھنے کے لیے بیٹھے ہوں تو نبی ﷺ پر درود شریف پڑھیں۔

○ فِي الْبَدَايَةِ فِي الْخُطَبِ

خطبہ دینے بیٹھیں یا تقریر کے لیے تو نبی ﷺ پر درود شریف پڑھیں۔

○ وَ الْاِنْتِهَاءِ مِنْ مَجَالِسِ الْعِلْمِ

مجلس علم ختم ہو تو نبی ﷺ پر درود شریف پڑھیں۔

○ فِيْ لِقَاءِ الْاِخْوَانِ

دو دوست ملیں تو نبی ﷺ پر درود شریف پڑھیں۔

○ فِيْ مُوَادَعَتِهِمْ وَ مُفَارَقَتِهِمْ

ملتے ہوئے اور جدا ہوتے ہوئے درود شریف پڑھیں۔

○ مُدَارَسَةِ الْحَدِيْثِ النَّبَوِيْ ﷺ

نبی کی حدیث پڑھاتے ہوئے درود شریف پڑھیں۔

○ عِنْدَ تَذْكِرَتِهٖ ﷺ

آقا ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آئے تو نبی علیہ السلام پر درود شریف پڑھیں۔

○ عِنْدَ ذِكْرِ اَصْحَابِهٖ

نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر آئے تو درود شریف پڑھیں۔

○ عِنْدَ ذِكْرِ شَيْءٍ مِنْ مَاثِرِهٖ

نبی ﷺ سے منسوب کوئی بھی چیز ہو اس کا تذکرہ ہو تو درود شریف پڑھیں۔

○ عِنْدَ دُخُوْلِ الْمَدِيْنَةِ

مدینہ میں داخل ہوں درود شریف پڑھیں

○ عِنْدَ حُضُوْرِ عَلٰى قَبْرِهٖ ﷺ

جب بھی گنبد خضرا پر نظر پڑے تو مومن کو چاہیے کہ اللہ کے حبیب ﷺ پر درود شریف پڑھے۔

درود شریف کے فوائد

درود شریف کے دنیا وآخرت میں بیشمار و بے حساب فوائد ہیں۔ مثلاً

اِنَّهَا سَبَبٌ

- لِهِدَايَةِ الْمُصَلِّيْ وَ حَيَاةِ قَلْبِهٖ

یہ پڑھنے والے کی ہدایت اور اس کے دل کے لیے حیات کا ذریعہ ہے۔

- لِزِيَادَةِ مُحَبَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

یہ نبی علیہ السلام کی محبت کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔

- لِزِيَادَةِ مُحَبَّةِ الْعَبْدِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

بندے کی محبت رسول اللہ سے بڑھنے کا سبب ہے۔

- لِقُرْبِ الْعَبْدِ بِرَبِّهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

قیامت کے دن اللہ کے قرب کا سبب ہے۔

- لِقُرْبِ الْعَبْدِ مِنْ رَّسُوْلِهٖ ﷺ

نبی ﷺ سے قرب کا ذریعہ ہے۔

- اِنَّهَا اَدَاءٌ لِّشَيْءٍ مِنْ حَقِّهٖ ﷺ

نبی ﷺ کے حقوق کی ادائیگی کا ذریعہ ہے۔

- سَبَبُ كِفَايَةِ اللّٰهِ عَبْدَهٗ مَا اَهَمَّهٗ

جو بندے کے غم ہوتے ہیں ان کے لیے اللہ کافی ہو جاتا۔

- سَبَبُ مَغْفِرَةِ لِلذُّنُوْبِ

اور گناہوں سے بخشش کا سبب ہے۔

اور سَبَبُ اِجَابَةِ الدُّعَاءِ

دعا کی قبولیت کا سبب ہے۔

◉ نَیْلُ شَفَاعَتِهٖ ﷺ

قیامت کے دن نبی ﷺ کی شفاعت ملنے کا سبب ہے۔

◉ سَبَبٌ زَکَاۃٍ وَّ طَهَارَۃٍ لِلْمُصَلِّي

دل کی پاکیزگی اور طہارت کا ذریعہ ہے۔

◉ تَطَيُّبٌ لِلْمَجَالِسِ

مجالس کے پاکیزہ ہونے کا ذریعہ ہے۔

◉ تَنْفِيْ عِنْدَ الْعَبْدِ صِفَةُ الْبُخْلِ وَصِفَةُ الْجَفَاءِ

جو درود پڑھتا ہے بخیل نہیں ہوا کرتا اور نہ وہ بے وفا ہوتا ہے۔

◉ سَبَبٌ فِيْ اَنْ لَا تَكُوْنَ الْمَجَالِسُ حَسْرَةً وَّ نِدَامَةً عَلٰى اَصْحَابِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

یہ قیامت کے دن دوستوں کے ساتھ مجالس کی ندامت سے بچنے کا سبب ہے۔

اور جو درود پڑھتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور یہ برکت کا سبب ہے جو بندے کو عمل میں عمر میں برکت نصیب ہوتی ہے۔

◉ اِنَّهَا سَبَبٌ لِتَثْبِيْتِ الْقَدَمِ لِلْعَبْدِ عَلَى الصِّرَاطِ

درود شریف قیامت کے دن پلصراط سے باسلامت گزرنے کا سبب ہے۔

اور ایک آخری بات۔

◉ اِنَّهَا سَبَبٌ لِثِقْلِ كَفَّةِ الْمِيْزَانِ

قیامت کے دن میزان کے پلڑے کے بھاری ہو جانے کا سبب ہے۔ چونکہ جو شخص درود شریف پڑھے تو اللہ اس درود شریف کو اتنا وزنی بنا دیں گے کہ اس کا نیکی کا

پلڑا گناہوں کے پلڑے سے بھاری ہو جائے گا۔

آخر درود شریف کام آئے گا:

ایک حدیث مبارک سن لیجیے تاکہ بات مکمل ہو، اس کو ابن ابی دنیا نے روایت کیا اور نمیری نے اپنی کتاب ''الاعلام'' میں نقل کیا ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ لِاٰدَمَ مِنَ اللّٰہِ مَوْقِفًا فِیْ فُسْحٍ مِّنَ الْعَرْشِ عَلَیْہِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ کَاَنَّہٗ نَخْلَۃٌ سَحُوْقٌ))

قیامت کے دن آدم علیہ السلام کو عرش کے سامنے ایک مقام ملے گا، جہاں پر انہوں نے دو سبز کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے۔ لمبا قد ہوگا، ایسے لگے گا جیسے کئی ہوئی شاخوں میں ایک کھجور کا درخت کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایسے لمبا قد عطا فرمائیں گے۔ وجہ کیا ہوگی؟

((یَنْظُرُ اِلٰی مَنْ یُّنْطَلَقُ بِہٖ مِنْ وَّلَدِہٖ اِلَی الْجَنَّۃِ وَ مَنْ یُّنْطَلَقُ بِہٖ اِلَی النَّارِ))

وہ دیکھ رہے ہوں گے کہ ان کی اولاد میں سے کون جنت کی طرف چڑھ رہا ہے۔ اور کون جہنم کی طرف جا رہا ہے۔

وہ دیکھ رہے ہوں گے کہ ان کی اولاد میں سے کون کہاں جا رہا ہے؟ تو آدم علیہ السلام چونکہ تمام اولادِ آدم کے باپ ہیں، اللہ ان کو وہ جگہ عطا فرمائیں گے۔

((فَبَیْنَا آدَمُ عَلٰی ذٰلِکَ اِذْ نَظَرَ اِلٰی رَجُلٍ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ ﷺ یُنْطَلَقُ بِہٖ اِلَی النَّارِ فَیُنَادِیْ آدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا اَحْمَدُ! یَا اَحْمَدُ!))

آدم اسی حال میں ہوں کہ جب وہ امت محمد ﷺ کے بندے کو دیکھیں گے کہ وہ جہنم کی طرف لے جائے جا رہے ہیں۔ آدم علیہ السلام پکاریں گے: اے احمد! اے احمد! نبی ﷺ کو آواز دیں گے۔

((فَيَقُوْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَبَّيْكَ يَا اَبَا الْبَشَرِ لَبَّيْكَ))

نبی علیہ السلام فرمائیں گے اے بشر کے باپ فرمایئے!

((فَيَقُوْلُ هٰذَا الرَّجُلُ مِنْ اُمَّتِكَ يُنْطَلَقُ بِهٖ اِلَى النَّارِ))

آدم علیہ السلام بتائیں گے کہ یہ آپ کا امتی ہے اور فرشتے اسے جہنم میں لے کر جا رہے ہیں۔

((قَالَ ﷺ فَاَشُدُّ الْمِئْزَرَ))

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میں تہبند کو کس کر باندھ لوں گا۔

دیہاتوں میں کسی کام کے لیے قدم اٹھانا ہو تو لوگ کہتے ہیں جی تہبند کس کے باندھ لو اور چل پڑو۔ تو ارشاد فرمایا کہ میں اپنی تہبند کو مضبوطی سے باندھ لوں گا۔

((وَاَسْرَعُ فِيْ اَثَرِ الْمَلٰٓئِكَةِ))

اور میں ملائکہ کے پیچھے تیزی سے چلوں گا جو میرے امتی کو لے کر جہنم کی طرف جا رہے ہوں گے۔

((فَاَقُوْلُ يَا رُسُلَ رَبِّيْ قِفُوْا))

میں یہ کہوں گا: اے میرے رب کے کارندو! ذرا رک جاؤ!

((فَيَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الْغِلَاظُ الشِّدَادُ الَّذِيْنَ لَا نَعْصِي اللّٰهَ تَعَالٰى مَا اَمَرَنَا وَنَفْعَلُ مَا نُؤْمَرُ))

وہ آگے سے جواب دیں گے ہم تو سخت گیر عمل کرنے والے لوگ ہیں، وہی

کرتے ہیں جو اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے، اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔

((فَاِذَا اَيِسَ النَّبِيُّ ﷺ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ بِيَدِهِ الْيُسْرٰى وَاسْتَقْبَلَ الْعَرْشَ بِوَجْهِهٖ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ قَدْ وَعَدْتَّنِيْ اَنْ لَّا تُخْزِيَنِيْ فِيْ اُمَّتِيْ))

نبی علیہ السلام اب اس بات سے مایوس ہوں گے کہ یہ تو کھڑے بھی نہیں ہو رہے، بات بھی نہیں سن رہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میں ان ملائکہ کی یہ بات سنوں گا تو میں اپنا بایاں ہاتھ اپنی داڑھی کے اوپر رکھوں گا۔ اور اس طرح ہاتھ رکھ کر عرش کی طرف دیکھوں گا اور یہ کہوں گا: اللہ! آپ نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ میری امت کے بارے میں آپ مجھے رسوا نہیں فرمائیں گے۔

یہ ایک عاجزی کا عمل ہوگا جو اللہ کی حبیب ﷺ اللہ کے سامنے کریں گے۔ اپنی ریش پر اپنا بایاں ہاتھ رکھ کر آسمان کی طرف دیکھ کر یہ کہیں گے کہ اللہ! آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ امت کے معاملے میں آپ مجھے رسوا نہیں فرمائیں گے۔

((فَيَأْتِيْ نِدَاءٌ مِّنْ قِبَلِ الْعَرْشِ اَطِيْعُوْا مُحَمَّدًا وَ رُدُّوْا هٰذَا الْعَبْدَ اِلَى الْمَقَامِ))

عرش کے اوپر سے آواز آئے گی: اے میرے فرشتو! محمد ﷺ کی اطاعت کرو اور اس بندے کو واپس میزان کے سامنے لے کر آؤ۔

بندے کو واپس میزان پر لایا جائے گا۔

((فَيُخْرِجُ ﷺ بِطَاقَةً بَيْضَاءَ كَالْاَنْمِلَةِ فَيُلْقِيْهَا فِيْ كِفَّةِ الْمِيْزَانِ الْيُمْنٰى وَ هُوَ يَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ))

نبی ﷺ ایک چھوٹا سا کاغذ کا پرزہ نکالیں گے جو انگلی کے پورے کے برابر ہو

گا۔ کاغذ کے ٹکڑے کو میزان کے دائیں پلڑے کے اندر ڈال دیں گے اور فرمائیں گے: بسم اللہ

((فَتَرْجَحُ الْحَسَنَاتُ عَلَى السَّيِّئَاتِ))

نیکی کا پلڑا جھک جائے گا گناہوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔

((فَيُنَادِي الْمُنَادِي سَعِدَ وَسَعِدَ جَدُّهُ وَ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ اِنْطَلِقُوْا بِهِ اِلَى الْجَنَّةِ))

پھر ایک پکارنے والے پکارے گا: یہ بندہ اور اس کا باپ سعادت پا گئے اور اس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا، اس بندے کو جنت کے اندر لے کر جاؤ۔

((فَيَقُوْلُ يَا رُسُلَ رَبِّي قِفُوْا حَتّٰى اَسْئَلَ هٰذَا الْعَبْدَ الْكَرِيْمِ اِلٰى رَبِّهِ))

وہ بندہ یہ کہے گا: اے اللہ کے نمائندہ فرشتو! تھوڑی دیر رک جاؤ! میں اس کریم شخص سے پوچھ لوں، تعارف تو کرلوں کہ یہ کون ہستی ہے؟

((فَيَقُوْلُ: بِاَبِيْ اَنْتَ وَ اُمِّيْ مَا اَحْسَنَ وَجْهَكَ وَ اَحْسَنَ خَلْقَكَ مَنْ اَنْتَ))

وہ کہے گا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کا چہرہ کتنا خوبصورت ہے! آپ کے اخلاق کتنے اچھے ہیں اور پیارے ہیں! آپ کون ہیں؟

((قَدْ اَقَلْتَنِيْ عَثْرَتِيْ وَ رَحِمْتَ عَبْرَتِيْ))

آپ نے میری لغزشوں کو کم کر دیا اور میرے غم کے اوپر آپ نے ترس کھا لیا۔

((فَيَقُوْلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ اَنَا نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ وَ هٰذِهٖ صَلَاتُكَ الَّتِيْ كُنْتَ تُصَلِّيْ عَلَيَّ وَفَّتْكَهَا اَحْوَجَ مَا تَكُوْنُ اِلَيْهَا))

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس شخص کو جواب دیں گے، میں تمہارا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور یہ تیرا درود شریف ہے۔ یہ وہ درود شریف ہے جو تو مجھ پر پڑھا کرتا تھا۔ یہ تمہیں اس وقت ملا جب تمہیں اس کی ضرورت تھی۔ یہ قیامت کے دن انسان کے پلڑے کے بھاری ہونے کا سبب بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جتنے تقاضے ان کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اس پر سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا
سلام اس پر کہ جس کے خون کے پیاسوں کو قبائیں دی
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دی
سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا کہ میرے ہیں

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

نعت

اے عشق نبی میرے دل میں بھی سما جانا
مجھ کو بھی محمد ﷺ کا دیوانہ بنا جانا

قدرت کی نگاہیں بھی جس چہرے کو تکتی تھیں
اس چہرۂ انور کا دیدار کرا جانا

دیدار محمد ﷺ کی حسرت تو رہے باقی
جز اس کے ہر اک حسرت اس دل سے مٹا جانا

جو رنگ کہ جامی پہ رومی پہ چڑھایا تھا
اس رنگ کی کچھ رنگت مجھ پر بھی چڑھا جانا

جس خواب میں ہو جائے دیدارِ نبی حاصل
اے عشق! کبھی مجھ کو نیند ایسی سلا جانا

دنیا سے ریاض ہو جب عقبیٰ کی طرف جانا
داغ غم احمد ﷺ سے سینے کو سجا جانا

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ (الم نشرح: ۴)

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 31 دسمبر 2010ء ۲۵ محرم ۱۴۳۲ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: بیان جمعۃ المبارک

اقتباس

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ (الم نشرح)

"اے میرے حبیب ﷺ! ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا"

ہم نے آپ کی شان کو اونچا کیا، اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو وہ شان عطا فرمائی کہ آپ امام الانبیا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں جتنے انبیا کا ذکر آیا ہے ان کو ان کا نام لے کر اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا۔

یَا مُوسٰی یَاعِیسٰی یَا اِبْرَاهِیْم یَا یَحْیٰی

تو نام لے کر خطاب فرمایا لیکن قرآن مجید میں جب اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو خطاب فرمانا تھا تو فرمایا:

یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ﴾ (الم نشرح:۴)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

امام الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان:

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے

﴿ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ﴾ (الم نشرح:۴)

”اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا“

ہم نے آپ کی شان کو اونچا کیا، اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ شان عطا فرمائی کہ آپ امام الانبیا بنے۔

چنانچہ قرآن مجید میں جتنے انبیا کا ذکر آیا ہے ان کو ان کا نام لے کر اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا۔

یَا مُوْسٰی ...... یَا عِیْسٰی ...... یَا اِبْرَاھِیْمُ ...... یَا یَحْیٰی

تو نام لے کر خطاب فرمایا لیکن قرآن مجید میں جب اللہ رب العزت نے اپنے

حبیب ﷺ کو خطاب فرماتا تھا تو فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ ...... یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ ......

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ...... یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ......

تو ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو کیا شان عطا فرمائی!

شانِ نبوت ﷺ کا دفاع:

چنانچہ جتنے بھی انبیا آئے، ان کی قوم کے بعض لوگوں نے ان کی مخالفت کی، ان پر اعتراضات کیے تو اللہ تعالیٰ ان اعتراضات کے جوابات ان انبیا کی زبانی ان کو دلوائے، مثلاً ان انبیا نے کہا:

﴿قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

(سورۃ اعراف: ۶۷)

''کہا اے قوم! میں کسی حماقت میں مبتلا نہیں بلکہ رب العالمین کی طرف سے پیغمبر بنایا گیا ہوں''

اگر قوم نے طعنہ دیا کہ آپ گمراہ ہیں تو انہوں نے جواب میں کہا:

﴿لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ﴾

گویا قوم کو وہ خود اپنی صفائی پیش کر رہے ہیں۔ جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اللہ رب العزت کا معاملہ دیکھیے کہ اس قوم کے لوگوں نے نبی ﷺ کے اوپر بھی اسی طرح کی بات کی تو جس بندے نے مجنون کہا، اللہ رب العزت نے خود قرآن مجید میں اس کا جواب عطا فرمایا، خود دفاع فرمایا۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ (سورۃ یٰسین:۶۹)

''اور ہم نے انہیں شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ یہ ان کے شایانِ شان ہے''

لوگوں نے کہا: یہ تو شاعر ہے، اللہ تعالیٰ دفاع فرماتے ہیں کہ یہ شاعر نہیں ہے شعر تو ان کو زیب بھی نہیں دیتا۔

شانِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات کا ایک جائزہ

چنانچہ پچھلے انبیا کو اللہ رب العزت نے جتنی بھی فضیلتیں عطا فرمائیں وہ سب فضیلتیں اور ان سے بھی بڑھ کر اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائیں۔ آج کی اس مجلس میں اس کا Word eye view (سرسری جائزہ) پیش کرنا ہے تا کہ یادیں تازہ ہو جائیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا شان عطا فرمائی۔

جسمانی معراج رحمۃ اللہ علیہ

چنانچہ سابقہ انبیا کو معراج ہوا مگر روحانی تھا یا منامی تھا جبکہ نبی علیہ السلام کو معراج اصل ہوا تو وہ جسمانی معراج تھا، بنفسِ نفیس اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ اور اگر پہلے انبیا کو جسمانی معراج ہوا تو وہ بھی درمیانی تھا، مثلاً: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے آسمان پر اٹھائے گئے۔ اسی طرح ادریس علیہ السلام بھی آسمان پر لے جائے گئے۔ مگر اللہ رب العزت کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج نصیب ہوا تو کہاں تک ہوا۔

﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ـ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى﴾ (النجم:۱۴۔۱۵)

''سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کے پاس جنت ماویٰ ہے''

اتنا قرب حاصل ہوا۔

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ـ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی﴾ (النجم:۸۔۹)

''پھر قریب ہوا اور بھی قریب پھر فاصلہ دو کمان کے برابر تھا یا اس سے بھی کم''

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو ایسا معراج عطا فرمایا!

عالمی دعوت:

سابقہ انبیا کی دعوت علاقائی تھی، یا اس قوم کو تھی، اللہ کے حبیب ﷺ کی دعوت عالمی دعوت تھی۔ پوری انسانیت کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۱)

''اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے والوں کو تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ''

جہانوں کے لیے رحمت:

سابقہ انبیا محدود حلقے تک باعثِ رحمت تھے اور ہمارے آقا اور سردار حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا''

تمام انسانوں کے لیے ہادی:

سابقہ انبیا کو فقط اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا، ان کے لیے فرمان تھا:

﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (الرعد:۷)

"ہر قوم کے لیے ایک ہدایت بتلانے والا ہوتا ہے"

مگر اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو فرمایا:

﴿لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ (الفرقان:۱)

"تاکہ آپ جہانوں والوں کے لیے ڈرانے والے بن جائیں"

پھر فرمایا:

﴿كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَّ نَذِيرًا﴾

"جتنے بھی انسان ہیں سب کے لیے آپ بشیر اور نذیر بن کے آئے"

ظاہری اور باطنی علوم کے حامل:

سابقہ انبیا کو اگر شریعت ملی تو ظاہری شریعت ملی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعے سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کو علم ظاہر بھی عطا کیا علم باطن بھی عطا کیا، شریعت بھی اور طریقت بھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے نبی علیہ السلام سے دو علوم سیکھے، ایک وہ علم کہ جس کو ظاہر کردوں تو گلے پہ چھری پھر جائے۔ تو اللہ کے حبیب ﷺ نے اس امت کو ظاہری علوم بھی پہنچائے اور باطنی علوم بھی پہنچائے۔

تمام نمازوں کے جامع:

سابقہ انبیا علیہم السلام کو ایک ایک نماز ملی: آدم علیہ السلام کو فجر کی نماز ملی، ابراہیم علیہ السلام کو ظہر کی نماز ملی، عزیر علیہ السلام کو عصر کی نماز ملی، داؤد علیہ السلام کو مغرب کی نماز ملی، جب کہ اللہ کے حبیب ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں عطا فرمادیں۔ چار نمازیں سابقہ انبیا والی اور عشا ان سے زائد بھی عطا فرمائی۔

پوری زمین مصلیٰ:

سابقہ انبیا علیہم السلام کے لیے خاص جگہیں ہوتی تھیں جو مصلیٰ بنتی تھیں۔ چنانچہ خصائص کبریٰ کی روایت ہے:

وَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يُصَلِّي حَتّٰى يَبْلُغَ مِحْرَابًا

''کوئی بھی نبی جب تک وہ اپنے مصلے کی جگہ تک نہیں پہنچتے تھے نماز نہیں پڑھتے تھے''

لیکن اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے پوری زمین کو مصلیٰ بنا دیا۔ بخاری شریف کی روایت ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طُهُوْرًا))

اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اپنی زمین کو پاک بھی بنا دیا اور میرے لیے اس کو مصلیٰ اور مسجد بھی بنا دیا۔

اوّل وآخر کے علوم کے حامل:

سابقہ انبیا کا علم مخصوص تھا۔ آدم علیہ السلام کو علم الاسماء، یوسف علیہ السلام کو تعبیر الرؤیا ملی، سلیمان علیہ السلام کو منطق الطیر، عیسیٰ علیہ السلام کو حکمت ملی، اور نبی علیہ السلام کے بارے میں خصائص کبریٰ میں لکھا ہے۔

((اُوْتِيْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ))

''مجھے اول وآخر کے تمام علوم عطا کیے گئے''

ختم نبوت کے حامل:

سابقہ انبیا کو فقط نبوت ملی اور ہمارے نبی ﷺ کو ختم نبوت ملی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب:۴۰)

''لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں''

خاتم النبیین بھی اللہ رب العزت نے آپ کو بنایا۔

انبیاء علیہم السلام کے نبی:

سابقہ انبیا عوام کے نبی اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم عوام کے بھی نبی اور انبیاء علیہم السلام کے بھی نبی ہے۔

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ﴾ (آل عمران:۸۱)

''اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں گا۔ پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے''

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سب انبیا سے عہد لیا کہ جب میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے تو تم ان کی تصدیق کرنا۔

امام الانبیاء ہے:

سابقہ انبیاء علیہم السلام عابد تھے اور ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم امام العابدین تھے۔

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، نسائی شریف کی روایت ہے:

ثُمَّ دَخَلْتُ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ جُمِعَ لِيَ الْاَنْبِيَاءُ فَقَدَّمَنِي جِبْرَئِيْلُ حَتّٰى اَمَمْتُ

''پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا، سارے انبیا موجود تھے، مجھے

جبرئیل علیہ السلام نے آگے بڑھایا اور میں نے ان تمام انبیا کی امامت فرمائی۔"

ازل سے نبی تھے:

سابقہ انبیا علیہم السلام پیدائش کے بعد نبی بنے لیکن آقا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی نبوت سے سرفراز تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَ الْجَسَدِ))

"میں اس وقت بھی نبی تھا جب ابھی آدم علیہ السلام روح اور مٹی کی حالت میں تھے۔"

سابقہ انبیا کی نبوت حادث تھی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قدیم، چنانچہ حاکم کی روایت ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

مَتٰى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ ؟

اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو نبوت کب ملی؟

((قَالَ بَيْنَ خَلْقِ اٰدَمَ نَحْوَ نَفْخِ الرُّوْحِ فِيْهِ))

کہ جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور ان میں روح ڈالی گئی تھی مجھے اس سے پہلے بھی نبوت ملی ہوئی تھی۔

سببِ تخلیقِ کائنات:

سابقہ انبیا کائنات کے لیے دنیا میں تشریف لائے جبکہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سبب تخلیقِ کائنات بن کر تشریف لائے، مستدرک کی روایت ہے:

فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ اٰدَمَ وَ لَا الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ

"اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم کو بھی پیدا نہ کرتا نہ جنت اور جہنم کو"

اوّل المقربین:

سابقہ انبیا مقرب تھے اور اللہ کے حبیب ﷺ اوّل المقربین تھے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے میثاق لیا جس کا تذکرہ تو حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں روحوں سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو

كَانَ مُحَمَّدٌ ﷺ اَوَّلَ مَنْ قَالَ بَلٰى

سب سے پہلے اللہ کے حبیب ﷺ نے بلیٰ کا لفظ استعمال فرمایا۔

غلبۂ دین اور حفاظتِ دین:

سابقہ انبیا کو دین ملا لیکن اللہ کے حبیب ﷺ کو غلبۂ دین بھی نصیب ہوا۔ چنانچہ انبیائے سابقین نے دین کی دعوت میں اپنی زندگیاں لگا ئیں۔ لیکن پیروکاروں کی محدود جماعت ہی بنی جن کا دین پر عمل اپنی حد تک تھا اور نبی ﷺ کے دین کو اللہ نے غالب فرما دیا اور ایسی ریاست وجود میں آگئی کہ جس میں با قاعدہ طور پر نفاذِ دین ہوا۔

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (صف:۹)

”وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ھدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے“

اور پھر سابقہ انبیا کے دین میں وقت کے ساتھ تحریف ہوتی چلی گئی اور آقا ﷺ کے دین کو اللہ رب العزت خود محفوظ فرما رہے ہیں۔

عملی اور علمی معجزے:

سابقہ انبیا کو عملی معجزات نصیب ہوئے:

......چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا ملا، ید بیضا ملا۔

......عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔

......ابراہیم علیہ السلام کے حق میں آگ کو ٹھنڈا فرما دیا گیا تھا۔

......صالح علیہ السلام کو ناقہ ملی۔

......یوسف علیہ السلام کی قمیص سے یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس لوٹ آئی۔

تو ان انبیا کے معجزات عملی معجزات تھے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی معجزات بھی دیے اور علمی معجزات بھی دیے۔ عملی معجزے کی مثال جیسے:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (سورۃ القمر: ۱)

''چاند دو ٹکڑے ہو گیا''

دیکھو عملی ظاہری حسی معجزہ ملا۔

اور علمی معجزہ، قرآن مجید۔ یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو عطا فرمایا۔

اسی لیے سابقہ انبیا کے معجزے ختم ہو گئے اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے ابھی تک باقی ہیں۔ قرآن مجید

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (سورۃ الحجر: ۹)

چنانچہ سابقہ انبیا کو اللہ نے کتاب عطا فرمائی تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کتاب عطا فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

كَانَ الْكِتَابُ الْاَوَّلُ يَنْزِلُ مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ عَلٰى حَرْفٍ وَاحِدٍ وَ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ مِنْ سَبْعَةِ اَبْوَابٍ وَ سَبْعَةِ اَحْرُفٍ

''پہلی کتابیں ایک باب اور ایک زبان میں نازل ہوئی تھیں جبکہ قرآن سات

ابواب اور سات زبانوں میں اترا“

سابقہ انبیا کے معجزوں کو قوم نے جھکایا، آقا ﷺ کے معجزے نے پورے عالم کو جھکا دیا:

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (سورۃ الاسراء:۸۸)

”کہہ دیجیے کہ اگر انسان اور جن اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسی کوئی چیز لے آئیں تو اس کی مثل نہیں لے سکتے اگرچہ کہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں“

پورے انسانوں کو دعوت دی گئی کہ اگر تم اس کے مقابلے میں اگر کچھ لا سکتے ہو تو لا کے دکھاؤ تم کبھی بھی نہیں لا سکو گے۔

متبوع الانبیا:

چنانچہ سابقہ انبیا دنیا میں آئے تو قوم نے ان کی اتباع کی اور نبی ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو انبیا نے ان کی اتباع کی۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائیں گے تو نبی ﷺ کی شریعت کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔

تو آقا ﷺ متبوع الانبیا کہلائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

«لَوْ كَانَ مُوسَىٰ حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي»

”اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری اتباع کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ ہوتا“

شفاعتِ کبریٰ کے حامل:

چنانچہ سابقہ انبیا قیامت کے دن کہیں گے۔ لَسْتُ لَهَا لَسْتُ لَهَا جیسے انسان

نفسی نفسی کہتا ہے کہ میں ان لوگوں کے کام نہیں آ سکتا، لیکن نبی ﷺ اس دن فرمائیں گے: اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا اور آپ امتی امتی فرمائیں گے۔

چنانچہ سابقہ انبیا قیامت کے دن شفاعتِ صغریٰ فرمائیں گے، ایک محدود شفاعت۔ اور آقا ﷺ کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن شفاعت کبریٰ عطا فرمائیں گے، فرمائیں گے:

((يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ))

''اے محمد ﷺ! سر اٹھایئے! جو آپ کہیں گے، ہم آپ کی مراد کو پورا فرما دیں گے۔''

نبی علیہ السلام کے معجزات اور انبیائے سابقین کے معجزات کا موازنہ

یہ تو تھا ایک جنرل تذکرہ انبیا کے مقابلے میں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے کیا شان عطا فرمائی تھی؟ اب ذرا ایک ایک نبی ﷺ کے معجزے کے ساتھ انبیا کے معجزات کو بھی کمپیئر کرتے چلے جائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

- حضرت آدم علیہ السلام کی تحیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ

﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾

تو انسان محسوس کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی بڑی شان ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم سجدہ کرو۔ دوسری طرف دیکھیں تو نبی ﷺ کے لیے اللہ نے سب کو حکم دیا کہ

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (سورۃ الاحزاب:۵۶)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی ان پر درود وسلام بھیجا کرو''

تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے حبیب ﷺ پر رحمتیں نازل فرماتے ہیں ورود نازل فرماتے ہیں

◉ آدم علیہ السلام کو حجرِ اسود ملا، یہ جنت کا پتھر تھا اور اللہ کے حبیب ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے (روضة من رياض الجنة) جنت کا ایک ٹکڑا ہی عطا فرما دیا۔

◉ آدم علیہ السلام کا جو شیطان تھا وہ اپنا کام دکھا گیا کہ جھوٹی قسمیں کھا کر ﴿وَقَاسَمَهُمَا﴾ قسمیں کھا کر یقین دلا گیا کہ اس شجر کے پھل کو کھا لو گے تو آپ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ چنانچہ انہوں نے پھل کھا لیا تو ان کا شیطان اپنا مکر چلا گیا۔ جبکہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے میرے شیطان کو مسلمان بنا دیا۔

◉ آدم علیہ السلام کی زوجہ مکرمہ سے بھول ہوگئی لیکن نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کارِ نبوت میں معین بنیں۔ چنانچہ بیہقی کی روایت ہے:

((وَكُنَّ أَزْوَاجِيْ عَوْنًا لِّيْ))

''اللہ نے میری بیویوں کو دین کے کام میں میرا معاون بنا دیا''۔

حضرت نوح علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

حضرت نوح علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا فرمائے۔

◉ چنانچہ نوح علیہ السلام کو شریعت کی ابتدائی شکل نصیب ہوئی اور نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کی انتہائی شکل عطا فرمائی۔ نوح علیہ السلام کو جب تکلیف پہنچی تو قوم کے لیے بددعا کی، اور اللہ کے حبیب ﷺ نے تکلیف پہنچنے کے باوجود اپنی قوم کے لیے دعا فرمائی۔

((اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ))

◉ نوح علیہ السلام کے زمانے میں پانچ بت تھے، وہ چاہتے تھے کہ ان بتوں کو نکال دیں، قوم نے نہیں نکلوایا۔ اللہ کے حبیب ﷺ کے زمانے میں بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت تھے، آپ نے اللہ کی رحمت سے تمام بتوں کو بیت اللہ سے نکلوا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

◉ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں دیکھیے کہ ابراہیم علیہ السلام کو مقامِ ابراہیم عطا ہوا۔

﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى﴾ (البقرۃ:۱۲۵)

''مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ''

یہ دنیا کے اندر ان کو مقام ملا اور نبی ﷺ کو اللہ رب العزت نے مقامِ محمود عطا فرمایا:

﴿عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (الاسراء:۷۹)

''قریب ہے کہ اللہ آپ کو مقامِ محمود عطا کرے گا''

◉ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ (الانعام:۷۵)

''اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین میں نشانیاں تا کہ وہ خوب یقین حاصل کرنے والے ہو جائیں''

لیکن جب نبی ﷺ کے بارے میں معاملہ ہوا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ (سورۃ النجم:۱۸)

''تحقیق انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''

ادھر زمین اور آسمان کی نشانیاں دکھائیں، یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کی نشانیاں دکھائی گئیں۔

◉ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نہیں جلا سکی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾ (الانبیاء:۶۹)

''ہم نے حکم دیا اے آگ ٹھنڈی ہو جا ابراہیم پر اور سلامتی والی بن جا''

ادھر نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی آگ نہیں جلا سکی۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ اُمَّتِنَا مِثْلَ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلٍ))

''تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہماری امت میں ابراہیم خلیل علیہ السلام کی مثال بنا دی''

◉ ابراہیم علیہ السلام کو محشر میں اللہ رب العزت جنتی پوشاک پہنائیں گے اور نبی ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ جنتی پوشاک پہنائیں گے۔

ثُمَّ يَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ اللّٰهِ مَقَامًا يَغْبِطُ النَّاسُ الْاَوَّلُوْنَ وَ الْاٰخِرُوْنَ

''پھر وہ اللہ کے پاس ایسے مقام پر ہوں گے کہ اگلے پچھلے سارے رشک کریں گے''

اللہ رب العزت قیامت کے دن محبوب کو ایسی جگہ کھڑا کریں گے اگلے اور پچھلے سب ان پر رشک کر رہیں ہوں گے۔

◉ اللہ رب العزت نے اولادِ ابراہیم علیہ السلام کے لیے زم زم کا پانی جاری فرما دیا اور نبی ﷺ کا معاملہ دیکھیے کہ اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ کی مبارک زبان سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے پانی جاری فرما دیا۔

◉ ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ نے مکہ کو بسایا جو حرم بنا اور نبی ﷺ کے لیے اللہ نے مدینہ

طیبہ کو بسایا، وہ بھی حرم بنا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

اب حضرت یوسف علیہ السلام کی خصوصیات کو ذرا دیکھیے:

◉ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے حسین بنایا، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے ملیح بنایا۔

◉ یوسف علیہ السلام کی قمیص سے یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی نکلی ہوئی آنکھ کو دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ وہ صحابی کہتے ہیں کہ میری بینائی پہلے والی آنکھ سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔

◉ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے انگلیاں کاٹی تھیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر یہ عورتیں میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے نور کو دیکھ لیتیں یہ اپنے دل کے ٹکڑے کر دیتیں۔

◉ یوسف علیہ السلام کی برأت کی گواہی ایک بچے نے دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کی برأت کی گواہی اللہ رب العزت نے خود قرآن مجید میں فرمائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھیے:

◉ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر ہم کلامی فرمائی اور اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ پر ہم کلامی فرمائی۔

﴿فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی﴾ (النجم:١٠)

"پھر ہم نے اپنے بندے کی طرف القا کیا جو کچھ القا کیا"

◉ موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے چشمے پھوٹے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے اللہ نے

پانی کو جاری فرما دیا۔

◉ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اے اللہ! میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں تو جواب میں فرمایا:

﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ (الاعراف:۱۴۳)

''اے میرے پیارے موسیٰ! تم مجھے نہیں دیکھ سکتے''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے معراج پر اپنا دیدار عطا فرمایا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں:

((رَاٰى مَرَّةً بِبَصَرِهٖ وَ مَرَّةً بِفُؤَادِهٖ))

''ظاہری آنکھ سے بھی دیکھا اور دل کی آنکھ سے بھی''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ رب العزت کو دل کی آنکھ سے بھی دیکھا اور ظاہری آنکھ سے بھی دیدار کیا۔

◉ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کلام سے مشرف فرمایا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے کلام سے اور دیدار سے دونوں سے مشرف فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اِبْرٰهِيْمَ بِالْخُلَّةِ وَاصْطَفٰى مُوْسٰى بِالْكَلَامِ وَاصْطَفٰى مُحَمَّدًا بِرُؤْيَةٍ

''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دوستی کے لیے چنا، موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کے لیے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے دیدار کے لیے''

اللہ رب العزت نے ان کو اپنا دیدار عطا فرمایا۔

◉ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور ان کے صحابہ نے دریائے نیل کو عبور کر لیا اور اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ان کے گھوڑوں سمیت دجلہ کے دریا سے عبور کروا دیا۔

◉ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے فلسطین کی زمین عطا فرمائی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ نے کیا معاملہ فرمایا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ))

''اللہ نے زمین کے سب خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرمادیں''

◉ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا ظاہری مقابل لایا گیا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینکا جو اژدھا بن گیا، اب ظاہری طور پر جادوگروں نے اس کے مقابلے میں رسیاں پھینکیں، وہ بھی سانپ بن گئے، تو ظاہری طور پر کچھ تو مقابلے میں لایا گیا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے قرآن مجید کا جو معجزہ دیا، اس کے مقابلے میں آج تک کفار کوئی ایک سورت بھی پیش نہ کر سکے، چند آیتیں بھی پیش نہ کر سکے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ﴾ (طٰہٰ:۲۵)

''اے اللہ! میرے سینے کو کھول دیجیے''

اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دیکھیے کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (الم نشرح:۱)

کہ میرے حبیب کیا ہم نے آپ کو شرح صدر نہیں عطا فرمادیا:

◉ موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ملاقات کے لیے گئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ (الاعراف:۱۴۳)

کہ جب موسیٰ ہماری ملاقات کے لیے آئے

اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ فرماتے ہیں:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ (اسرائیل:۱)

تو معلوم ہوا کہ جو جو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات ملے تھے اللہ تعالیٰ نے اس بہتر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے تھے۔

یوشع بن نون علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آفتاب کی حرکت کو روک دیا تھا اور حدیث پاک میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کام میں مصروف تھے، سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا تھا، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو سورج پیچھے کی طرف لوٹا

وَرُدَّتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ حَتّٰى صَلّٰى

حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی عصر کی نماز کو ادا فرما لیا۔

یوشع علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورج کے حرکت کے دو ٹکڑے کیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے۔ تو جو ان کو نصیب ہوا اللہ نے اس سے بہتر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثالیں دیکھیے:

- اللہ رب العزت نے ان کو ایک انگوٹھی دی تھی جس سے ان کو جنوں کی تسخیر حاصل ہو گئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے مہر نبوت دی جس سے آپ کو دلوں کی تسخیر حاصل ہو گئی، دلوں کو اللہ نے مسخر فرما دیا۔
- سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منطق الطیر (پرندوں کی بولی کا علم) دیا، پرندوں نے سلیمان علیہ السلام سے بات کی۔ اور نبی علیہ السلام کا معاملہ دیکھیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ نے گفتگو کی، بکری نے کی، چڑیا نے کی، گدھے نے کی، ہرنی نے کی۔ احادیث میں یہ

تمام واقعات موجود ہیں۔

◉ سلیمان علیہ السلام کے وزیر زمین تک محدود تھے۔ آقا ﷺ نے فرمایا کہ میرے دو وزیر زمین میں ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما اور دو وزیر آسمانوں میں ہیں، اللہ نے میکائیل اور جبرئیل علیہما السلام کو میرا وہاں پر وزیر بنا دیا۔

◉ سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو بات سمجھائی تو ہدہد کو بات سمجھ آ گئی۔ نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک بھیڑیا آیا نبی علیہ السلام نے بھیڑیے کو بات سمجھائی وہ بھیڑیا بات کو سمجھ کر واپس چلا گیا۔

◉ سلیمان علیہ السلام نے مانگ کر ملک لیا تھا۔

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (ص: ۳۵)

''کہا: اے میرے رب! مجھے معاف فرما اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ بعد میں کسی کو ایسی نہ ملے بے شک تو بڑا عنایت کرنے والا ہے''

اللہ کے حبیب ﷺ کو اللہ نے بن مانگے ملک عطا فرما دیا تھا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((سَيَبْلُغُ مُلْكُ اُمَّتِيْ مَا زُوِيَ مِنْهَا))

''اللہ تعالیٰ نے اتنا ملک میری امت کو عطا فرمایا اور وہ مجھے دکھا بھی دیا''

◉ سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ نے ہوا کو مسخر کیا جو انہیں لے کر جاتی تھی اور اللہ نے حبیب ﷺ کے لیے براق کو مسخر کیا جو پلک جھپکنے میں آپ کو حرم سے لے کر بیت المقدس تک پہنچا دیتی تھی۔

تو معلوم ہوا کہ جو کچھ سلیمان علیہ السلام کو ملا اللہ نے اس سے بہتر اپنے حبیب ﷺ کو

عطا فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثالیں دیکھیے:

◉ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے احیائے موتیٰ کا معجزہ عطا فرمایا، وہ مردوں کو تھوڑی دیر کے لیے زندہ کر دیا کرتے تھے۔ اور اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو احیائے قلوب کا معجزہ عطا فرمایا۔ کافر آتے تھے ایک نظر ان کے اوپر پڑتی تھی ان کے دل زندہ ہو جاتے تھے، کافر آتے تھے، اللہ کے فضل سے کلمہ پڑھ کر مسلمان بن کر واپس جاتے تھے۔

◉ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر کھانے پینے سے مستغنی فرما دیا وہ آسمان پر ہیں اور کھانے پینے سے مستغنی۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتیوں میں سے کچھ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ کھانے پینے سے مستغنی فرما دیں گے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب یاجوج ماجوج کا زمانہ ہوگا تو میرے کچھ امتی اپنی جگہ پر چھپے ہوئے ہوں گے، ان کو اللہ تعالیٰ "سبحان اللہ" کے ذریعے سے رزق عطا فرمائے گا، یہ سبحان اللہ پڑھا کریں گے ان کی بھوک پیاس مٹ جایا کرے گی۔

◉ عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے پرندے زندہ ہوتے تھے اور اللہ کے حبیب ﷺ کے ذریعے سے اللہ نے ایک لکڑی کے تنے کو زندہ کر دیا۔ چنانچہ اسطوانۂ حنانہ کا واقعہ آج بھی کتابوں کے اندر موجود ہے اور مسجد نبوی میں وہ جگہ مخصوص کی ہوئی ہے جہاں ایک کھجور کا خشک تنا تھا، نبی ﷺ کی جدائی کے اندر اتنا رویا تھا جیسے بچہ اپنے باپ کی جدائی میں رویا کرتا ہے۔ تو پرندوں کو زندہ کرنا تو ایک آسان کام ہے کہ پہلے بھی زندگی تھی لے لی گئی، اب دوبارہ تھوڑی دیر کے لیے مل گئی، لیکن کھجور کے تنے کا بچوں کی مانند

رونا یہ اور زیادہ حیرت انگیز ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہ ہاتھ رکھا وہ کھجور کا تنا اس طرح چپ ہوا جیسے ایک بچہ سسکیاں لیتا ہوا، روتا روتا چپ ہو جایا کرتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے محافظ روح القدس تھے اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ روح القدس کے خالق تھے، خود اللہ رب العزت تھے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدۃ:۶۷)

''اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ ہی آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔''

نبی علیہ السلام تمام انبیا کے کمالات کے جامع:

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ رب العزت نے وہ تمام کمالات دیے جو باقی انبیا کو عطا فرمائے، شاعر نے کہا:

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

''یوسف علیہ السلام کا حسن، عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ کرنا، موسیٰ علیہ السلام کا روشن ہاتھ، سب میں یہ خوبیاں اپنی اپنی ہیں مگر تو اکیلا یہ سب خوبیاں رکھتا ہے''

کہ پہلے انبیا کو اللہ نے جو معجزات عطا کیے، کمالات عطا کیے، اے میرے حبیب! ہم نے وہ تمام کمالات آپ اکیلے کو عطا فرما دیے۔

روزِ محشر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ امتیاز:

یہ تو وہ چیزیں تھی جو باقی انبیا کو بھی ملیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑھ کر ملیں۔ کچھ چیزیں ایسی تھیں جو پہلے انبیا کو نہ ملیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو امتیازی

شان عطا فرمائی۔ وہ کیا تھی؟

○...... قیامت کا دن ہوگا سب سے پہلے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کو پکارا جائے گا چنانچہ فرمایا:

((فَیَکُوْنُ اَوَّلُ مَنْ یُّدْعٰی مُحَمَّدٌ فَذَالِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا))

''سب سے پہلے جنہیں پکارا جائے گا وہ محمد ﷺ ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عنقریب تیرا رب تجھے مقام محمود پر کھڑا کرے گا''

○...... چنانچہ قیامت کے دن ساری مخلوق اللہ کے سامنے کھڑی ہوگی لیکن سب سے پہلے اللہ رب العزت کے سامنے اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ سجدہ فرمائیں گے۔ چنانچہ مسند احمد کی روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَنَا اَوَّلُ مَنْ یُّؤْذَنُ لَہٗ بِالسُّجُوْدِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ)) (مسند احمد)

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب سجدے کا حکم فرمائیں گے تو سب سے پہلے میں ہی سجدہ کروں گا۔''

یہ شرف بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا:

○...... قیامت کے دن سب سے پہلے سجدے سے اللہ کے حبیب ﷺ سر اٹھائیں گے۔ چنانچہ نبی نے فرمایا:

((اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّرْفَعُ رَاْسَہٗ فَانْظُرُوْا اِلٰی بَیْنَ یَدَیَّ))

''سب سے پہلے سجدے سے میں ہی پہلے اٹھوں گا''

○......اور قیامت کے دن آقا ﷺ اَوَّلُ الشَّافِعِیْنَ وَ الْمُشَفَّعِیْنَ ہوں گے۔

چنانچہ ابو نعیم کی روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ))

''میں پہلا سفارش کرنے والا اور سفارش قبول کیا ہوا ہوں گا''

میں قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کروں گا۔ یہ شفاعت کا حق بھی اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمائیں گے۔

○..... پھر آقا ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن سب سے پہلے پل صراط کو عبور کروں گا۔ بخاری شریف کی روایت ہے:

((یُضْرَبُ جِسْرُ جَهَنَّمَ وَ اَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ یُّجِیْزُ))

''جہنم کے اوپر پل صراط بنی ہوگی اور اس پل صراط کو سب سے پہلے (اللہ رب العزت کے اذن سے) میں ہی عبور کرنے والا ہوں گا''

○..... اور قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ کے حبیب ﷺ ہی جنت کے دروازے کو کھٹکھٹائیں گے۔ حدیث پاک میں ہے آیا ہے، ابو نعیم کی روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ))

''میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا''

نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میں جنت کے دروازے پر پہنچوں گا اور جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا کہ اس کو کھول دیا جائے، پھر آقا ﷺ کے لیے جنت کے دروازے کو کھولا جائے گا...

چنانچہ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

((اَنَا اَوَّلُ مَنْ تُفْتَحُ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ)) (ابونعیم)

''میں ہی ہوں گا جس کے لیے قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کا دروازہ

کھولا جائے گا۔"

○ ۔۔۔اور پھر اللہ کے حبیب ﷺ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ بیہقی شریف کی روایت ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّۃَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَلَا فَخْرَ))

"میں قیامت کے دن سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور مجھے اس کے اوپر کوئی فخر نہیں ہے۔"

کتابِ فطرت کے سرورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا:

تو ان تمام احادیث اور آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے پہلے انبیا کو جتنے معجزے عطا فرمائے، وہ سارے کے سارے معجزے، بہترین شکل میں اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو بھی عطا فرمائے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایسے بھی معجزات عطا فرمائے کہ جو پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی شان کو بلند فرمایا۔ اور ان کو اللہ نے وہ شان دی جو شان مخلوق میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا آخری لے کر پیام آئے
وہ ہیں بے شک بشر لیکن تشہد میں اذانوں میں
جہاں دیکھو خدا کے نام کے بعد ان کا نام آئے

تو نبی علیہ السلام کا نام اللہ کے نام کے ساتھ آتا ہے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو وہ شان عطا فرمائی۔ سچ بات تو یہ ہے کہ

کتاب فطرت کے سر ورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا
تو نقش ہستی ابھر نہ سکتا وجود لوح و قلم نہ ہوتا
زمیں نہ ہوتی فلک نہ ہوتا عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا
یہ محفل کن فکاں نہ ہوتی اگر وہ شاہِ امم نہ ہوتا

ایمانی غیرت کا فطری تقاضا:

اب ہم اپنے آقا ﷺ کے ساتھ محبت کا ایک جذباتی تعلق رکھتے ہیں، یہ ایمانی غیرت کہلاتی ہے۔ اگر عام لوگوں میں سے اگر کسی بندے کو باپ کی گالی دے دو، ماں کی گالی دے دو، تو اس کی غیرت جاگتی ہے، یہ انسان کی فطرت ہے۔ کہ کون ہوتا ہے میرے ماں باپ کو بات کرنے والا؟ تو یہ ایک فطری غیرت ہر انسان کے اندر ہوتی ہے کہ وہ ماں باپ کے لیے گالی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہ فطری کے ساتھ ایمانی غیرت بھی شامل ہوگئی۔ چنانچہ جس نے بھی کلمہ پڑھا ہے وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ نبی ﷺ کی شان کے اندر کوئی بندہ گستاخی کرے۔

دینِ اسلام کی اعتدال پسندی:

دینِ اسلام اعتدال کا دین ہے، فطرت کا دین ہے۔ سنیے دین اسلام کی کیا خوبصورت تعلیمات ہیں! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (سورۃ الانعام:۱۰۸)

”کہ اے ایمان والو! تم ان کافروں کے معبودوں کو برا نہ کہو کہ یہ اپنی جہالت کی وجہ سے بے علمی کی وجہ سے خدا کو برا نہ کہنے لگ جائیں۔“

تو شریعت نے منع کر دیا کہ دیکھو! دوسرے لوگ اگر اس بات سے Heart (دل آزاری) ہوتے ہیں تو تم ایسی بات نہ کرو۔ اب دیکھو! دین اسلام کی کتنی خوبصورت تعلیم ہے! ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آج کے دور میں جو بڑے تعلیم یافتہ اور مہذب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں سب سے زیادہ با اخلاق لوگ ہیں تو ان کو بھی اس بات کی رعایت کرنی چاہیے کہ اگر کسی بات کے کرنے سے دوسرا بندہ ہرٹ ہوتا ہے تو وہ اس بات کو نہ کریں۔

کفار کا مشغلہ:

لیکن لگتا یوں ہے کہ آج کے زمانے میں کفار نے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہے، ہر تھوڑے عرصے کے بعد جان بوجھ کر (Intentionaly) وہ ایسا کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے ہیں جس سے کہ مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہوتے ہیں۔ دراصل وہ مسلمانوں کی غیرت کو ناپتے ہیں، تولتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ یہ ٹمپس ٹیسٹ بنا لیا ہے انہوں نے۔ قصائی جب کسی بکری کو ذبح کرتا ہے تو وہ اس کے گھٹنے کے اوپر چھری مار کر دیکھتا ہے کہ ابھی زندہ ہے یا مردہ ہے، یہ اس کا ٹیسٹ ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح آج مادی اعتبار سے کفر نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ وہ سمجھتا ہے اب ہمارے سامنے کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہونی چاہیے، ہم جو چاہیں کسی کے ساتھ کریں، ہم سے کوئی بھی پوچھنے والا نہ ہو۔ مسلمانوں کی غیرت کو للکارنے کے لیے وہ بار بار خاکے چھاپتے ہیں اور پھر اس کو کہتے ہیں کہ ہماری تو یہ زبان کھلی ہونے کی دلیل ہے۔ ہم تو جی اس میں (Freedom of Speach) آزادیٔ اظہار کے قائل ہیں۔ تو بھائی یہ آزادیٔ اظہار تو سب کے لیے ہونی چاہیے۔ ذرا غور کریں، یہودیوں کو ایک مرتبہ بہت مارا پیٹا گیا تھا اور اس کا نام

انہوں رکھا ہوا ہے ہولوکاسٹ۔ اب یہ ہولوکاسٹ کے بارے میں امریکہ کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی بندہ کہے کہ ہولوکاسٹ غلط تھی، نہیں تھی، جھوٹی تھی، اس بات کے کرنے پر اس بندے کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اب بتائیں ایک بات کے کرنے سے کسی بندے کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے تو وہ تو قانون کے مطابق گیا جیل میں! اور ہمارے آقا ﷺ جن کے ساتھ ہمیں ایک جذباتی لگاؤ ہے، محبت ہے، ان کی شان میں اگر کوئی گستاخی کرے تو ہمارے دل پر کیا بیتتی ہے اس کا احساس کسی کو نہیں ہوتا۔

گلہ تو اپنوں سے ہے:

اور اس پر رونے کی بات یہ ہے کہ کفار کا تو کیا گلہ کرنا وہ تو ہیں بدبخت کافر، ان کی طاقتوں سے مرعوب ہو کر جو ہمارے حکمران ہیں وہ بھی انہیں کو خوش کرنے کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ اللہ ہمارے حکام کو سمجھ عطا فرمائے اور ان کو یہ عقل عطا فرمائے کہ یہ کفار تمہارے دوست نہیں، یہ نہ موت کے وقت کام آئیں گے نہ تمہیں قبر میں کام آئیں گے، نہ حشر میں کام آئیں گے، تم اکیلے رہ جاؤ گے۔ وہ ہستی جس کی شفاعت پر اللہ رب العزت تمہیں آخرت میں کامیابی دیں گے، وہ میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں۔ لہٰذا ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام ہیں، ہم ان کی شان میں گستاخی کو برداشت نہیں کر سکتے۔

ایک دردمندانہ گزارش:

ہم اپنے حکام کی خدمت میں یہی گزارش کرتے ہیں کہ ایک قانون بن چکا ہے، جسے ناموسِ رسالت کا قانون کہا جاتا ہے، قانون بنا دیا بنانے والوں نے، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، اب یہ اتنی بڑی غلطی نہ کریں کہ اب یہ اس قانون کو بدلنے کی

کوشش کریں۔ اگر یہاں بدلو گے اللہ کے دفتروں میں تمہارے ناموں کو بدل کر رکھ دیا جائے گا۔ پھر روؤ گے، تمہیں کوئی چپ کروانے والا نہیں ہوگا۔ پھر تم اپنی غلطی کا ازالہ نہیں کر سکو گے۔ اللہ رب العزت ہمیں سمجھ عطا فرمائے، ہم نبی ﷺ کی حرمت کے اوپر، عزت کے اوپر، ناموسِ رسالت کے اوپر قربان ہونے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور یہ گزارش کرتے ہیں کہ یہ ایک نازک مسئلہ ہے، عقل مندی سے کام لینا چاہیے اور فقط کفار کی خوشنودی کے لیے اسلامی قوانین میں ترامیم کرنے کی حماقت ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ پوری زندگی ہمیں اپنے آقا ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق فرمائے۔ اللہ ہمارے دلوں میں ان کی محبت کو بھر دے، اس محبت کو ہم زندگی کا سرمایہ سمجھتے ہیں، اسی محبت پر ہم جینا چاہتے ہیں، اسی محبت کے اوپر ہم مرنا چاہتے ہیں اور قیامت کے دن اسی محبت کے ساتھ ہم اپنے آقا ﷺ کے ساتھ پیش ہونا چاہتے ہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سراپائے اقدس ﷺ

اے رسولِ امیں، خاتم المرسلیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق ویقیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اے براہیمی و ہاشمی خوش لقب، اے تو عالی نسب، اے تو والا حسب
دودمانِ قریشی کے دُرِّ ثمیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے، جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے ازل کے حسیں، اے ابد کے حسیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

بزمِ کونین پہلے سجائی گئی، پھر تری ذات منظر پہ لائی گئی
سید الاولیں، سید الآخریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

تیرا سکہ رواں کل جہاں میں ہوا، اس زمیں میں ہوا، آسماں میں ہوا
کیا عرب، کیا عجم، سب ہیں زیرِ نگیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

تیرے انداز میں وسعتیں فرش کی، تیری پرواز میں رفعتیں عرش کی
تیرے انفاس میں خلد کی یاسمیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

"سدرۃ المنتہیٰ" رہگزر میں تری، "قابَ قوسین" گردِ سفر میں تری
تو ہے حق کے قریں، حق ہے تیرے قریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

☆☆☆
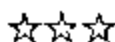
﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾

(آل عمران: ۹۷)

حجۃ الوداع قدم بقدم

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 5 نومبر 2010ء ۲۷ ذیقعد ۱۴۳۱ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: بیان جمعۃ المبارک

اقتباس

اب ذرا سوچیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سفرِ حج میں سفر بھی فرما رہے ہیں اور امت کو دین کے احکام بھی سکھا رہے ہیں اور ساتھ ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت بھی فرما رہے ہیں۔ تو اس پورے سفر میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک خاوند کو گھر میں کیسے رہنا چاہیے، ایک استاد کو شاگردوں میں کیسے رہنا چاہیے اور ایک پیر کو اپنے مریدوں میں کیسے رہنا چاہیے، یہ تعلیم اور تربیت ہر وقت اس طرح چلتی ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

حجۃ الوداع قدم بقدم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
﴿وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا﴾
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

آغازِ سفر:

نبی علیہ السلام نے ہجرت سے پہلے دو حج فرمائے اور ہجرت کے بعد ایک حج فرمایا۔ دو حج پہلے جو تھے وہ بیعت عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانی کے موقع پر ہوئے۔ اور ہجرت کے بعد نو ہجری میں حج فرض ہوا، تو اس سال نبی ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر صحابہ کو حج کے لیے روانہ کیا۔

دسویں ہجری نبوت کا آخری سال تھا، اس میں نبی ﷺ نے خود حج فرمایا۔ روانگی چوبیس ذی القعدہ جمعرات کے دن ظہر کے بعد ہوئی۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، ان کو نبی ﷺ نے مدینہ طیبہ میں قائم مقام بنایا۔ چونکہ باقی بڑے صحابہ حضرات رضی اللہ عنہم ساتھ تھے۔ تو ان کے ذمے لگایا کہ وہ مدینہ طیبہ میں رہیں اور وہاں کی نگرانی کریں۔
آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ سے کوچ فرما کر ذوالحلیفہ ایک جگہ ہے مدینہ طیبہ سے

تھوڑا باہر، وہاں پڑاؤ ڈالا۔ تمام ازواجِ مطہرات اس سفر میں ساتھ تھیں، گیارہ میں سے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات مکہ مکرمہ میں ہو چکی تھی اور میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات بھی مقام سرح جو مکہ مکرمہ سے باہر ہے وہاں ہو چکی تھی۔ باقی تو ازواجِ مطہرات اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں۔

زیب تنِ احرام:

تو جس دن روانگی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر سے پہلے غسل فرمایا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر تیل لگایا، ایک خوشبو ہوتی تھی، پاؤڈر کی صورت میں بریرہ رضی اللہ عنہا نے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر ملی۔ جس نے احرام باندھنا ہو تو اس کو محرم کہتے ہیں، محرم اگر نہائے اور نہانے کے بعد جسم پہ خوشبو لگائے تو جائز ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چادریں زیب تن فرمائیں، ایک چادر لپیٹ لی اور ایک چادر باندھ لی۔ ایک ازار اور ایک رداء، دونوں سفید تھیں، ان سلی تھیں، یہ احرام بن گیا۔ یہ یونیفارم ہے جس کو پہن کر بندہ اپنے پروردگار کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ یہ تواضع کا لباس ہے، دنیا کی زیب و زینت سے ہٹ کر کفن کی مانند ہے، دو چادروں میں لپٹ کر رہتا کہ امیر غریب سارے کے سارے برابر ہو جائیں۔

تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

دنیا کے اندر تو کپڑوں کی اونچ نیچ کا فرق تو ہو سکتا ہے، وہاں جو بھی احرام میں جائے گا تو امیر کا بھی وہی لباس اور فقیر کا بھی وہی لباس۔

انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کا احرام باندھا۔ حج تین قسم کا ہوتا ہے، ایک ہے مکہ مکرمہ والوں کا حج، وہ لوگ احرام باندھ کر حج کرتے ہیں، ان کو عمرے کی ضرورت پیش نہیں آتی، اس کو حجِ افراد کہتے ہیں۔ اور جو باہر سے لوگ

جاتے ہیں جن کو آفاقی کہا جاتا ہے، جو میقات سے باہر رہنے والے ہوں جیسے ہم لوگ ہیں، تو ہم لوگ جب احرام باندھ کر جاتے ہیں تو وہ عمرے کا احرام ہوتا ہے۔ وہاں جا کر عمرہ کرتے ہیں تو عمرہ کرنے کے بعد اختیار ہوتا ہے کہ چاہیں تو احرام کو بال کٹوا کر اتار دیں اور چاہیں تو اسی احرام میں حج کریں۔ جس میں احرام اتار دیتے ہیں اس کو حج تمتع کہتے ہیں کہ اب اس کے اوپر احرام کی پابندیاں ختم ہو گئیں، حج کے لیے یہ نیا احرام وہاں سے باندھے گا۔ اور جو عمرے اور حج کو ایک ہی احرام میں اکٹھا کر لیتے ہیں اس کو حج قران کہتے ہیں۔ تو انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کا احرام باندھا۔

ظہر کے بعد یہ سفر شروع ہوا، اسی جگہ پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاں ان کی زوجہ محترمہ اسما بنت انیس رضی اللہ عنہا سے بیٹا پیدا ہوا۔ انہوں نے بیٹے کا نام محمد رکھا، محمد بن ابوبکر۔

تلبیہ کی تلقین:

جب صحابہ چلے تو انہوں نے تلبیہ پڑھنا شروع کیا، زید جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام دیا کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ یہ صحابہ اونچی آواز سے تلبیہ پڑھیں۔ یعنی تلبیہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ اونچا پڑھنے کی فرمائش کی گئی کہ یہ چیز ہمیں پسند ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم اتنا اونچا تلبیہ پڑھتے تھے کہ ہمارے منہ خشک ہو جاتے تھے۔ اونچا پڑھنے سے مراد چلا کے پڑھنا نہیں، مرد مناسب آواز سے پڑھے اور عورتیں خاموش پڑھیں۔ محرم جتنا تلبیہ پڑھے گا اتنا اجر زیادہ پائے گا۔ چنانچہ ہر چڑھائی پہ چڑھتے ہوئے تلبیہ، نیچے اترتے ہوئے تلبیہ پڑھیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی ناخوشی اور نبی علیہ السلام کا اندازِ تربیت:

راستے میں بیس پچیس میل کے بعد پڑاؤ ڈالا جاتا تھا، تقریباً ایک ہفتہ پورا اس سفر میں لگا۔ ایک ایسی بھی جگہ آئی جہاں ام المومنین میں سے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ ذرا بیمار ہو گیا۔ اب وہ ذرا پیچھے رہتا تھا تو اس کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی تیز نہیں چل سکتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک اونٹ تھا جو صحت مند تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ بدل دیا، ان کو صحت مند اونٹ دے دیا اور دوسرا اونٹ ان کو دے دیا۔ اب عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات دل میں بہت محسوس ہوئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے تو وہی جو صحت مند اونٹ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر اس کے ساتھ ہی چلتے رہے۔ پہلے وہاں عائشہ بیٹھی ہوتی تھی اور ان کو یہ سعادت ملتی تھی، اب یہ سعادت ان کو نہ ملی تو ان کے دل میں بڑا غم ہوا۔

اب ذرا سوچیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سفر میں سفر بھی فرما رہے ہیں اور امت کو دین کے احکام بھی سکھا رہے ہیں اور ساتھ ساتھ صحابہ کی تربیت بھی فرما رہے ہیں۔ تو اس پورے سفر میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک خاوند کو گھر میں کیسے رہنا چاہیے، ایک استاد کو شاگردوں میں کیسے رہنا چاہیے اور ایک پیر کو اپنے مریدوں میں کیسے رہنا چاہیے، یہ تعلیم اور تربیت ہر وقت اس طرح چلتی ہے۔

چنانچہ جب جا کر رکے تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا غم زدہ تھیں بات کر رہی تھیں کہ میرا اونٹ آپ نے ان کو دے دیا۔ اسی دوران صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ وہ چونکہ والد تھے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: اچھا ہم ان سے پوچھ لیتے ہیں۔ اب جب ان سے پوچھنا ہے تو کسی ایک نے تو بات کرنی تھی، متکلم بننا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ! تم بات کرو گی یا میں کروں؟ تو انہوں نے آگے سے کہہ دیا کہ آپ کریں لیکن ٹھیک

ٹھیک کریں، بیوی کا پیار ہی ایسا ہوتا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سنا تو انہوں نے ایک تھپڑ رسید کیا اور فرمایا کہ تجھے تیری ماں روئے کیا نبی ﷺ ٹھیک نہیں کہیں گے؟ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر! یہ سیدھی سادی عورت ہے، یہ پیچھے کھڑے ہو کر اس وادی کی بلندی کا اندازہ نہیں لگا سکتی۔ کتنی خوبصورت بات کہی! ایک بھولی بھالی عورت کو سفر کے دوران کس کا خیال رکھنا ہے کس کا نہیں رکھنا، اس کا کیا اندازہ؟ وہ تو امیرِ سفر کو پتہ ہوتا ہے۔

اونٹ کی گمشدگی اور تربیت:

ایک جگہ تھی مقام عرض، یہاں پر نبی ﷺ کا ایک اونٹ گم ہو گیا۔ اس کے اوپر بہت سامان لدا ہوا تھا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک غلام تھے ان کے ذمے وہ لگا ہوا تھا، ان سے وہ آگے پیچھے ہو گیا۔ اب ہزاروں اونٹ تھے، پتہ نہیں چلتا تھا کہ کہاں گیا؟ بڑا ڈھونڈا انہیں ملا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بڑا دکھ، بڑا غم۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے غلام کی پٹائی کی اور اس کو یہ کہا کہ ایک ہی تو اونٹ تھا تو نے اس کا بھی خیال نہ رکھا۔ نبی علیہ السلام نے ان کو بھی سمجھایا کہ ابوبکر سختی نہ کرو! یہ معاملہ نہ تیرے اختیار میں ہے، نہ میرے اختیار میں، یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ کی منشا تھی وہ گم ہو گیا۔

نبی علیہ السلام نے امت کو تعلیم دے رہے تھے کہ دیکھو حج کے دوران ایسے واقعات پیش آ سکتے ہیں، سامان گم ہو سکتا ہے، بندہ بیمار ہو سکتا ہے، کوئی مشکل کوئی مصیبت آ سکتی ہے، یہ سب چیزیں سفر کا ایک حصہ ہیں۔ تو بندے کو دل بڑا کرنا چاہیے تاکہ سفر کے اندر انسان برداشت کر سکے۔ جب صحابہ کو پتہ چلا کہ نبی ﷺ کے سامان والا اونٹ گم ہو گیا ہے تو بعض صحابہ نے نبی ﷺ کو کھانے کے لیے حلوہ پیش کیا، مٹھائی

پیش کی۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے قیس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سامان پیش کیا۔ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے سامان والا اونٹ گم ہو گیا ہے آپ ہماری طرف سے یہ بستر ہے، یہ فلاں ہے، یہ ہماری طرف سے لے لیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا۔ ایک صحابی تھے صفوان رضی اللہ عنہ ان کی ایک بہت خوبصورت عادت تھی کہ وہ سفر میں چلتے ہوئے سب سے آخر میں چلتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ دیکھتے تھے کہ کوئی بندہ کوئی چیز بھول تو نہیں گیا، کئی ہم جیسے بھلکڑ تو ہوتے ہیں نا، بجائے اس کے کوئی مشکل بعد میں پیش آئے وہ ساتھ ساتھ دیکھا کرتے تھے، تو ان کو وہ اونٹ مل گیا۔ تو صفوان وہ اونٹ لے کر آئے اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا وہ اونٹ مل گیا۔

صحابہ میں مسائلِ حج سیکھنے کا شوق:

تو حج کا سفر اس طرح چلتا رہا کہ اس میں مسائل کی بھی تعلیم رہی اور تربیت بھی ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ ایک جگہ شکار کرنے کا مسئلہ درپیش ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ محرم شکار نہیں کر سکتا۔ ایک صحابی تھے سراقہ، یہ وہی صحابی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو یہ آپ کی تلاش میں نکلے تھے۔ یہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے مگر آپ کے معجزہ کو دیکھ کر انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا۔ انہوں نے ایک جگہ پر کہا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیں حج کے احکام اس طرح سکھائیں کہ جیسے نئے سرے سے ہوتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کے دلوں میں دین کو سیکھنے کا شوق کتنا تھا؟ ان کو یہ تڑپ رہتی تھی کہ ہمیں احکامِ شریعت سکھائے جائیں اور ہم ہر عمل کو اس کے مطابق کریں۔

مخصوص ایام میں عورت کے لیے حکم:

مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ ہے مقامِ سرج، جہاں میمونہ رضی اللہ عنہا مدفون ہیں۔

وہاں پہنچے تو عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماہانہ ایام آ گئے، رونے لگ گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عائشہ! کیوں رو رہی ہو؟ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اب نماز نہیں پڑھنی اور میں مسجد میں بھی داخل نہیں ہو سکتی تو میں رو رہی ہوں کہ آپ کے ساتھ میں طواف بھی نہیں کر سکتی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسی طرح خیمے کے اندر رہنا اور جب تم غسل کر لو گی اس کے بعد پھر تم اپنا عمل کرنا۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ:

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ''ذی طویٰ'' ایک جگہ ہے، وہاں پہنچے اور آپ نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ ۴ ذی الحجہ صبح کے وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلیٰ مکہ سے داخل ہوئے۔ مکہ مکرمہ کی ایک سائیڈ ذرا نیچی ہے، نشیب میں ہے، اسے مسفلہ کہتے ہیں اور دوسری سائیڈ پہاڑی پر ہونے کی وجہ سے ذرا اونچی ہے، یہ صفا مروہ والی سائیڈ ہے، اس کو اعلیٰ مکہ کہتے ہیں۔ یہ بھی مزے کی بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا مبارک گھر اور مولد مبارک جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی، وہ اعلیٰ مکہ کی طرف ہے۔ تو ایک فطری طریقہ ہے کہ جب بندہ شہر میں داخل ہونے لگتا ہے تو جدھر کو گھر کا راستہ ہوتا ہے ادھر سے داخل ہوتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اعلیٰ مکہ سے داخل ہوئے۔

حرم شریف میں داخلہ:

باب السلام سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حرم شریف میں داخل ہوئے، یہ صفا اور مروہ کے درمیان ایک دروازہ ہے، اس کا نام ہے باب السلام۔ مستحب بھی یہی ہے کہ جو آدمی عمرے پر جائے تو باب السلام سے داخل ہو۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم باب السلام سے داخل ہوئے۔

کعبے پہ پڑی جب پہلی نظر:

چنانچہ نبی علیہ السلام مسجد میں داخل ہوئے اور جب آپ ﷺ نے بیت اللہ کو دیکھا تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ چنانچہ محدثین نے لکھا ہے کہ بیت اللہ شریف پر جب پہلی نظر پڑتی ہے تو جو دعا مانگی جائے اللہ اس کو قبول فرما لیتے ہیں۔ پہلی نظر پر کوئی کچھ مانگتا ہے، کوئی کچھ مانگتا ہے۔ کسی نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! بیت اللہ پر پہلی نظر پڑے تو کیا مانگنا چاہیے؟ تو وہ تو فقیہ تھے، انہوں نے ایک عجیب بات فرمائی، کہنے لگے کہ پہلی نظر میں یہ دعا مانگنی چاہیے کہ اللہ! مجھے مستجاب الدعوات بنا دیجیے۔ مطلب کہ آج کے بعد میں جو دعا مانگوں میری ہر دعا کو قبول فرما لیجیے۔ دعا تو ایک ہے مگر ایک دعا میں پوری زندگی کی دعائیں شامل ہو گئیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ نبی ﷺ نے جب بیت اللہ شریف کو دیکھا تو آپ ﷺ کے مبارک آنکھوں میں آنسو تھے۔ فطری چیز ہے محبوب کی جگہ پر آ کر محبت جوش مارتی ہے۔

طواف سے ابتدا:

آپ ﷺ نے چونکہ پہلے وقت کی نماز ادا فرمائی تھی، مسئلہ یہ ہے کہ جب محرم (احرام والا بندہ) حرم کے اندر داخل ہو اور اس نے وقت کی نماز ادا کی ہوئی ہو تو اب وہ نفلیں نہیں پڑھے گا، اب اس کے لیے اعلیٰ یہی ہے کہ وہ جائے اور طواف کرے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ محفل میں جب کوئی آئے تو بہتر یہی ہے کہ مجلس میں جو صدر مجلس ہو پہلے اس سے مصافحہ کرے۔ تو یہ محرم آدمی تو آیا ہی اللہ کے گھر کا طواف

کرنے ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے سب سے پہلے طواف شروع کیا۔

استقبال، نیت اور استلام:

اب طواف شروع کرتے وقت تین کام کرنے ہوتے ہیں:

ایک کو کہتے ہیں استقبال،

دوسرے کو کہتے ہیں نیت،

اور تیسرے کو کہتے ہیں استلام۔

استقبال کا مطلب ہے مقابل ہونا، جس جگہ حجر اسود ہے طواف کرنے والا سب سے پہلے اس کے آمنے سامنے آ کر کھڑا ہوتا ہے، اس کو استقبال کہتے ہیں۔

پھر اس کے بعد طواف کی نیت کرنی ہوتی ہے۔ جیسے انسان ہاتھ اٹھا کر نماز کی نیت کرتا ہے اسی طرح طواف کی نیت کرتے ہیں، نیت کر کے پھر پڑھنا ہوتا ہے۔

بسم اللہ اللہ اکبر۔

تیسرا ہے استلام۔ استلام کا مطلب ہے حجر اسود کا بوسہ دینا اگر انسان حجر اسود کے قریب ہو تو حجر اسود کو بوسہ دے دور ہو تو اشارے سے بوسہ دے۔

استلام کے معارف:

حدیث مبارک میں ہے کہ حجر اسود یَمِیْنُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ "زمین میں اللہ کا دائیاں ہاتھ ہے" جس نے حجر کو بوسہ دیا اس نے گویا اللہ رب العزت کے دائیں ہاتھ کو بوسہ دیا۔ دستور تو یہی ہے نا کہ محبوب سے ملنے کوئی جائے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ میں ملوں اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دوں، تو اللہ تعالیٰ نے محبت کے جذبے کے اظہار کے لیے یہ عمل بھی مشروع فرما دیا۔

بعض اکابر نے یہ بات لکھی کہ نبی ﷺ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور بڑی دیر تک آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہونٹ اس پر رکھے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو وہ بڑے حیران ہوئے، تو اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ جب بھی عمرے کے لیے جاتے اسی طرح بوسہ لیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا:

حجرِ اسود! تو تو ایک پتھر ہے، ہم مسلمانوں کو پتھر سے کیا کام؟ مگر میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ وہ تمہیں بوسہ دے رہے تھے، میں نبی ﷺ کے بوسے کو تمہارے اوپر بوسہ دیتا ہوں۔

تیرے بوسے کو ہم دیتے ہیں بوسہ حجرِ اسود پر
وگرنہ کام کیا تھا ہم مسلمانوں کو پتھر سے

ہم پتھر کے پوجنے والے تو نہیں، ہم تو بوسہ دیتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہاں بوسہ دیا تھا۔

یہاں پر عارفین نے ایک نکتہ لکھا کہ نبی ﷺ نے جو یہ بوسہ دیا، یہ امت کے لیے ایک عمل چھوڑ دیا کہ دیکھو تم میں سے بہت سارے لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے وہ میرے ساتھ بیعت نہیں کر سکیں گے، لیکن اگر وہ آ کر حجرِ اسود کو بوسہ دیں گے، استلام کریں گے تو یوں سمجھو کہ ان کو مجھ سے غائبانہ بیعت کرنے کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ اس لیے حجرِ اسود کے بارے میں علما نے لکھا ہے کہ جو انسان کے قلب کی کیفیت ہو وہ حجرِ اسود کے اندر محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور آج کل تو وڈیو کیمرے نے اس کو سمجھنا آسان کر دیا۔ جس طرح وڈیو کیمرہ منظر کو محفوظ کر لیتا ہے، بالکل اسی طرح حجرِ اسود بھی اس مؤمن کے دل کی کیفیت کو محفوظ کر لیتا ہے، اس کا ایکسرے ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن اس کیفیت کے ساتھ انسان اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہوگا۔

تو اب آپ سوچیے کہ حجر اسود کے سامنے جاتے ہوئے دل کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟
مجمعے کی وجہ سے ہر بندہ تو حجر اسود کو بوسہ نہیں دے سکتا، بہت رش ہو جاتا ہے، لہٰذہ شریعت نے ایک حکم دیا کہ تم جہاں بھی ہو بس اشارہ کر کے اپنے ہاتھوں کو بوسہ دے دو تو تمہارا استلام ہو گیا۔ تو یوں سمجھیں جیسے ہم بچے کو خوش ہو کر ہوائی بوسہ (Flying Kiss) دے لیتے ہیں، تو بچہ محسوس کرتا ہے کہ مجھے گویا بوسہ مل گیا، تو حجر اسود کو دور سے فلائینگ کِس کرنے کا دوسرا نام استلام ہے۔ تو یہ تین کام کرنے ہوتے ہیں، استقبال، استلام، اور نیت۔ اب نیت کرنے کے بعد طواف شروع ہو گیا۔

اضطباع اور رمل:

نبی ﷺ نے اس طواف میں دو کام اور بھی کیے۔ ایک کام تو یہ کیا کہ آپ ﷺ نے اپنے دائیں کندھے کو ننگا کر لیا، یعنی احرام کو دائیں کندھے سے نیچے سے اوپر لے گئے، اس کو کہتے ہیں اضطباع۔ بعض حاجی لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ جیسے ہی احرام باندھا وہ اس کندھے کو مستقل ننگا ہی رکھتے ہیں، یہ غلطی ہے۔ ہر وقت ننگا نہیں رکھنا ہوتا، جب طواف شروع کرتا ہے اس وقت اس کو ننگا رکھنا ہے، وگرنہ تو کندھا کور ہونا چاہیے۔ تو اضطباع طواف کے سات چکروں میں رہتا ہے۔

اور ایک عمل آپ ﷺ نے رمل کا کیا۔ رمل کہتے ہیں، ذرا ہمت کے ساتھ جیسے پہلوان طاقت کے ساتھ قدم اٹھاتا ہے، ایسے قدم اٹھانا۔ تو نبی ﷺ نے تین چکروں کے اندر رمل بھی فرمایا۔ تو رمل تین چکروں میں اور اضطباع سات چکروں میں رہا اور اس طرح نبی علیہ السلام نے طواف فرمایا۔

پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نفل ادا کیے۔ پھر اسکے بعد زم زم کے کنویں پر تشریف لے آئے، اور آپ ﷺ نے زم زم نوش فرمایا۔

سعی:

پھر آپ ﷺ مقامِ صفا کی طرف روانہ ہوئے اور صفا اور مروہ کے درمیان آپ ﷺ نے سعی فرمائی۔ اور دو جگہیں جن کو میلین اخضرین کہتے ہیں، جہاں آج کل سبز لائٹیں لگی ہوئی ہیں، آپ ﷺ اس کے درمیان پھر دوڑے بھی تھے۔

تکمیل عمرہ:

طواف بھی ہو گیا اور سعی بھی ہو گئی، تو عمرے کے ارکان مکمل ہو گئے، جو بڑے رکن تھے وہ مکمل ہو گئے۔ اب کچھ صحابہ نے تو حلق کروا لیا یعنی بال کٹوا کر احرام اتار لیا، نبی ﷺ نے احرام نہیں اتارا اور آپ ﷺ کی اقتدا میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ، تے بھی احرام نہیں اتارا، گویا ان کا بھی قران کا احرام تھا۔ تو آپ ﷺ اس کے بعد خیموں میں جو مکہ سے باہر لگے ہوئے تھے وہاں تشریف لے آئے اور بقیہ چار دن آپ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا۔ روزانہ حرم میں تشریف لے جاتے تھے اور واپس آجاتے تھے۔

یومِ ترویہ:

سات ذی الحجہ کو یوم ترویہ کہتے ہیں یعنی پانی جمع کرنے کا دن۔ کیونکہ اس زمانے میں پانی تو بہت کم ہوتا تھا، اگر کوئی جگہ تھی تو وہ زم زم کا چشمہ اور وہی سب نے بھرنا ہوتا تھا اور جب منیٰ اور عرفات جاتے تھے تو یہی پانی ساتھ لے کر جاتے تھے۔ اس لیے سات ذی الحجہ یوم ترویہ کہا جاتا ہے۔ تو صحابہ نے اس دن اپنے ساتھ زم زم بھر لیا تاکہ پینے کے لیے کام آتا رہے۔

علما نے مسئلہ لکھا ہے کہ زم زم کو پینا بھی جائز اور وضو بھی جائز اس کے علاوہ اور

کوئی ضرورت نا جائز ہے۔ اور دو پانی ہیں جن کو کھڑے ہو کر پی سکتے ہیں، ایک زم زم کو اور دوسرا وضو کے بچے ہوئے پانی کو، باقی پانی کو بیٹھ کر پینا چاہیے۔

پہلا خطبہ حج:

سات ذی الحجہ کو نبی ﷺ نے بیت اللہ کے قریب خطبہ دیا یہ حج کا پہلا خطبہ ہے۔ پانچ خطبے حج میں دیے جاتے ہیں، پہلا خطبہ سات ذی الحجہ کو دیا اور اس میں نبی ﷺ نے قربِ قیامت کی علامات بتائیں کہ قربِ قیامت میں کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے پوری تفصیل سے یہ علامات بتائیں کہ قیامت سے پہلے یہ علامات ہونگی اور یہ علامات ہونگی جن کو آج ہم اپنی آنکھ سے پورا ہوتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔

منیٰ روانگی:

جب آٹھ ذی الحجہ ہوا تو اس وقت جن صحابہ ﷺ نے احرام کھولا ہوا تھا، جو حج تمتع کر رہے تھے، انہوں نے حج کے لیے احرام باندھ لیا اور جو قران کا احرام باندھ چکے تھے وہ تو پہلے ہی محرم تھے۔ تو ۸ ذی الحجہ کو نبی ﷺ منیٰ کے لیے روانہ ہوئے۔

سنت یہ ہے کہ آٹھ ذی الحجہ کو احرام کے ساتھ ظہر سے پہلے منیٰ پہنچ جائیں، یہ سنت ہے۔ پھر اس کے بعد ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر یہ پانچ نمازیں منیٰ میں ادا کرتے ہیں۔ رات منیٰ میں گزارتے ہیں۔ یہ جمعرات کا دن تھا، نبی ﷺ ظہر سے پہلے پہنچ گئے اور رات وہیں قیام فرمایا۔ اس رات میں سورۃ المرسلات نازل ہوئی، سورۃ المرسلات جس جگہ پر نازل ہوئی اس کا نام غارِ مرسلات ہے۔

عرفات روانگی:

اگلا دن یعنی ۹ ذی الحجہ جمعہ کا دن تھا تو نبی ﷺ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد

منیٰ سے عرفات کی طرف تشریف لے گئے۔ ظہر سے پہلے عرفات میں پہنچ جانا یہ سنت ہے۔ تو آپ ﷺ جب عرفات پہنچے تو وہاں پر آپ ﷺ نے تھوڑی دیر آرام فرمایا اور غسل فرمایا۔

وقوفِ عرفات:

پھر اس کے بعد نبی علیہ السلام نے صحابہ کو فرمایا کہ اب تم وقوف کرو۔ وقوف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان اس وقت اللہ رب العزت سے دعائیں مانگے۔ کھڑے ہو کر بھی دعائیں مانگ سکتا ہے، بیٹھ کر بھی مانگ سکتا ہے، لیٹ کر بھی مانگ سکتا ہے۔ ۹ ذی الحجہ کا دن، یومِ عرفہ یا حج کا دن کہلاتا ہے، اللہ رب العزت کے نزدیک یہ بہت محبوب دن ہوتا ہے، یہ مغفرت کا دن ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے شیطان کو اتنا ذلیل ہوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا سوائے بدر کے دن کے یا عرفہ کے دن۔ یہ بدر کے دن ذلیل ہوا تھا یا عرفہ کے دن ذلیل ہوتا ہے، سر پہ مٹی ڈالتا ہے، چلاتا ہے کہ میری تو سالوں کی محنت ضائع ہو گئی۔ اور اللہ رب العزت آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں، کیا مطلب کہ اللہ کی رحمت قریب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یومِ عرفہ حاجیوں کے لیے بھی مغفرت کا دن ہے اور اہلِ انصار کے لیے بھی مغفرت کا دن۔ یہ نہیں کہ صرف حاجیوں کی دعا قبول ہوتی ہے ان کی تو ہوتی ہی ہے اس دن کی برکت سے کہیں بھی اگر دعا مانگیں تو دعا قبول ہوتی ہے۔

یہ یومِ عرفہ، عرفات کا دن یومِ الست ہے، چنانچہ مفسرین نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں عہد لیا تھا۔

﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ﴾ "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟"

یہ یوم الست جو ہوا تھا یہ عرفہ کے دن ہوا تھا اور اسی دن کو اللہ نے اولادِ آدم کے لیے مقرر کیا کہ تم سب اگر اس دن میں عرفات میں آ کر دعا مانگو گے ہم تمہاری اس توبہ کو قبول فرمالیں گے۔

اللہ کی شان دیکھیے کہ حج کہتے ہیں عرفات میں حاضری کو۔ یہ حج کا رکن اعظم ہے۔ احرام باندھنے کے بعد حج کے دو بڑے رکن ہیں، ایک عرفات کا وقوف ہے۔ چنانچہ ظہر سے لے کر مغرب سے پہلے تک جو بندہ بھی عرفات میں پہنچ گیا سوتا ہو یا جاگتا ہو، صحت مند ہو یا بیمار ہو، مرد ہو یا عورت ہو تو اس کا وقوف ہو جاتا ہے۔ یہ دین اسلام کی حکمت ہے، اگر شریعت کہتی کہ حج نام ہے وہاں جا کر دو رکعت نفل پڑھنے کا تو سوچو کیا حشر ہوتا؟ ہم جیسے تو کئی وضو کرتے رہتے اور نماز ہی ختم ہو جاتی اور کتنی عورتیں ایسی ہوتیں کہ جب وہاں پہنچتیں تو نماز پڑھنے کی حالت میں ہی نہ ہوتیں تو ان کے حج کا کیا ہوتا؟ تو اللہ رب العزت نے کیا آسانی فرما دی کہ حج ہے ۹ ذی الحجہ کو احرام کے ساتھ عرفات کے اندر جمع ہونے کا اور اللہ سے دعائیں مانگنے کا۔ چنانچہ یہ دن حاجی کی زندگی کا بہت قیمتی دن ہوتا ہے، جو مانگتا ہے اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں۔

نبی ﷺ کی ایک مشفقانہ دعا:

نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا اندازہ لگائیے کہ آپ ﷺ نے ایک دعا مانگی، وہ ایسی دعا ہے کہ پڑھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں۔ اگر معاملہ میرے اور آپ کے درمیان ہوتا تو ہماری جھوٹی زبانوں سے نکلی دعائیں قبول ہوتیں یا نہ ہوتیں، مگر اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے اپنے رحمت للعالمینی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک دعا مانگی:

اے اللہ! حاجی کی بھی مغفرت فرما اور جس کی مغفرت کی حاجی دعا کریں اس کی بھی مغفرت فرما۔

قیامت تک کے لیے جو بندہ بھی حج کرے گا، اس کے لیے محبوب ﷺ کی دعائیں ہیں اور جو وہ دعائیں کرے گا اور جن کے لیے یہ دعائیں مانگے گا ان کو بھی میرے آقا ﷺ کی رحمت کا سایہ حاصل ہے۔ان کے حق میں بھی دعائیں قبول ہوں گی۔

خطبہ حج:

اور پھر آپ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ادا فرمائیں، اس کو جمع بین الصلوتین کہتے ہیں، دو نمازوں کو اکٹھا کرنا۔آپ ﷺ نے خطبہ دیا، یہ حج کا دوسرا خطبہ تھا۔

نبی ﷺ نے اس خطبے میں یہ فرمایا تھا کہ لوگو! اس مجلس کے بعد، اس سال کے بعد، پھر ہم اور تم اکٹھے نہیں ہوں گے۔تو عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کے رو پڑے تھے، سمجھ گئے تھے کہ شاید میرے آقا ﷺ کی اب روانگی کا وقت قریب ہے۔ پھر نبی ﷺ نے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا کہ لوگو! میں نے سود کو ختم کر دیا، خون بہا معاف کر دیا۔اور یہ بھی فرمایا کہ آپس میں باہمی حقوق کی پامالی نہ کرو، ایک دوسرے کی حق تلفی مت کرو۔آپ ﷺ نے عورتوں کے حقوق کے بارے میں فرمایا کہ ان کے حقوق ادا کرو اور یہ بھی فرمایا کہ تم دین کے اوپر جمے رہو۔

کچھ متفرق واقعات:

......اسی دن یہ آیتیں نازل ہوئی۔

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة:۳)

......آپ ﷺ سواری پر تھے تو ام الفضل صحابیہ ہیں، انہوں نے نبی ﷺ کو دودھ پیش کیا، نبی علیہ السلام نے دودھ نوش فرمایا۔

......پھر آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کے سوالوں کے جواب دیے، نجف کے لوگوں نے پوچھا تھا کہ

ما الحج حج کیا ہے؟

تو نبی ﷺ نے فرمایا: العرفة کہ عرفات کا وقوف، اس کا دوسرا نام حج ہے۔

......ایک خوش نصیب صحابی ایسے تھے کہ احرام کی حالت میں ان کی وفات ہوگئی تو ان کو دفن کیا گیا اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ قیامت کے دن احرام کی حالت میں تلبیہ پڑھتے ہوئے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔

مزدلفہ روانگی:

جب مغرب کا جب وقت ہوگیا تو اس کے بعد آپ ﷺ عرفات سے واپس مزدلفہ کی طرف تشریف لائے۔ اب عجیب بات یہ کہ عرفات میں عصر کی نماز ظہر کے وقت میں ادا کر لیتے ہیں اور جب وہاں سے مغرب کے قریب خروج ہوتا ہے تو حکم فرمایا کہ تم مغرب کے وقت میں مغرب کی نماز نہیں پڑھ سکتے، تم چلو مزدلفہ وہاں جا کر عشا کی نماز کے ساتھ مغرب کو ملا کر پڑھو۔ تو ایک جگہ نماز کو مقدم فرما دیا دوسری جگہ نماز کو مؤخر کروا دیا۔ حکم یہ دینا تھا کہ ہماری منشا کو سمجھو اس کی تم پیروی کرو جو حکم ہم نے دینا ہے تم نے ماننا ہے۔ ہم نے حکم دیا وقت پر ادا کرو تم وقت پہ پڑھو، ہم نے حکم دیا کہ تم عصر کو ظہر کے ساتھ اکٹھا پڑھو تو تم اکٹھا پڑھ لو۔ ہم نے کہا تم مغرب کو مؤخر کر کے عشا کے ساتھ پڑھو تو تم ایسا کر لو۔ بندگی سکھائی کہ تم سر تسلیم خم کر دینا، سر جھکا دینا۔ اب اس میں کئی بندے ہوتے ہیں عقل کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، عقل میں

بات نہیں آئی، تو عقل کو ایک طرف رکھ دو، شریعت کا جہاں حکم ہے سر جھکا دو، اسی کا نام بندگی ہے۔

قبولیتِ حج کی بشارت:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات ارشاد فرمائی: اللہ تعالیٰ نے نیکوکاروں کے حج کو قبول فرما لیا اور گناہ گاروں کو اللہ نے نیکوں کو ہبہ فرما دیا۔ یعنی گناہگاروں کا حج بھی نیکوکاروں کے صدقے اللہ نے قبول فرما لیا۔

مشہور واقعہ ہے کہ ستر ہزار لوگوں نے حج کیا تو کسی نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے آپس میں گفتگو کر رہے تھے، ایک فرشتے نے دوسرے سے حج کا احوال پوچھا تو اس نے کہا کہ سات بندوں کے حج قبول ہوئے۔ تو وہ بڑا حیران ہوا اور حیرت سے کہا کہ حاجی تو ستر ہزار تھے اور حج صرف سات کے قبول ہوئے۔ اس نے کہا کہ حج تو سات کے قبول ہوئے مگر ہر بندے کے صدقے اللہ نے ایک ہزار کے حج کو قبول کر لیا۔

وقوفِ مزدلفہ:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ تشریف لائے تو وہاں جو عورتیں تھیں، بچے تھے، بوڑھے تھے، بیمار تھے، ان کو آگے منیٰ روانہ فرما دیا لیکن ان کو فرمایا کہ جب تک سورج طلوع نہ ہو تم نے شیطان کو کنکریاں نہیں مارنیں۔ اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کے اندر قیام کیا۔ حاجی کے حق میں مزدلفہ کی رات شب قدر کی مانند اہم اور قیمتی ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اس رات میں کھلے آسمان کے نیچے ﴿عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ قرآن پاک میں تذکرہ ہے ایک مسجد ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا۔ حاجی یہاں قیام کرتے

ہیں اور پھر فجر کی نماز اس میں پڑھنے کے بعد وہاں وقوف ہوتا ہے۔ یہ وقوف تھوڑی دیر کا ہوتا ہے، دس پندرہ منٹ کا، اس میں بھی دعا مانگی جاتی ہے۔

تلافیٔ حقوق العباد کی دعا اور اس کی قبولیت:

نبی ﷺ نے جب یہاں دعا مانگی تو اس کے بعد آپ ﷺ مسکرائے۔ تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حیران ہوئے کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ مسکرا رہے ہیں؟ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں نے اللہ تعالیٰ سے عرفات میں دعا مانگی تھی: اے اللہ! جو حاجی بھی یہاں آئے اس کے حقوق اللہ کو بھی معاف فرما دیجیے اور حقوق العباد کو بھی معاف فرما دیجیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے میدانِ عرفات میں یہ وعدہ فرمالیا کہ جو حج کے لیے آئے گا میں اس کے حقوق اللہ کو معاف کر دوں گا، حقوق العباد اس کو بندوں سے معاف کروانے پڑیں گے۔ مگر میں یہی دعا مانگتا رہا اور مزدلفہ کی رات بھی میں نے اللہ سے یہ دعا مانگی اور پھر میں نے یہ کہا کہ اللہ آپ اس پر قادر ہیں کہ حق والوں کو ان کا حق اپنی طرف سے اتنا دے دیں کہ وہ ان کو معاف کر دے۔ تو اللہ رب العزت نے مزدلفہ کی رات میری یہ دعا بھی قبول فرمالی۔ میرے محبوب ﷺ! آپ اتنا جو میرے سامنے فریادیں کر رہے ہیں جو حج کرنے آئے ان کے حقوق اللہ بھی معاف کر دوں اور حقوق العباد بھی۔ تو میں ان بندوں کو اتنا اجر دے دوں گا کہ وہ خوش ہو جائیں گے اور اپنا حق معاف کر دیں گے۔ اب حقوق العباد معاف کروانے کا کیا مطلب؟ یہ نہیں ہے کہ میں نے کسی کے دس لاکھ دینے تھے، اب حج کر لیا بس دینے کی کیا ضرورت ہے؟ معاف ہو گیا۔ معافی اس کو نہیں کہتے بلکہ معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرض دینا تھا اور دے نہیں سکے تھے، دیر کر دی۔ تو ایک تو ہے قرض لوٹانا یہ تو فرض ہے۔ دیر کرنے کا جو گناہ ہے اس کو معاف کر دیں گے۔ تو حقوق العباد تو

پورے کرنے پڑتے ہیں، اس میں کوتاہی سے جو دوسرے کو اذیت ملی اللہ اس کو معاف کروا دیں گے۔ چنانچہ اللہ نے رحمت فرمائی کہ نبی ﷺ کی دعاؤں کو قبول فرمایا۔

وادی محسر سے گزر:

پھر جب اگلا دن ہوا وقوف کرنے کے بعد مزدلفہ سے منیٰ کی طرف تشریف لائے۔ راستے میں ایک وادی ہے اس کو وادی محسر کہتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ابرہہ کا ہاتھیوں والا لشکر آیا تھا، اور اللہ نے پرندوں کے ذریعے سے ہاتھیوں کے لشکر کو وہاں پر برباد کروا دیا۔ تو آپ ﷺ جب وہاں سے گزرنے لگے تو آپ نے سواری کو ذرا تیز فرما دیا۔ تو امت کو ایک مسئلہ معلوم ہو گیا کہ جس جگہ پر اللہ کا عذاب اترا ہو اس کو سیر گاہیں نہیں بناتے بلکہ وہاں سے جلدی سے گزر جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب میں مبتلا نہ فرمائے۔

منیٰ تشریف آوری اور رمی:

تو آپ ﷺ جب منیٰ تشریف لائے تو منیٰ میں آپ ﷺ نے سب سے پہلے جو آخری شیطان ہے، اس کو رمی کی۔ وہاں پر شیطان کی تین پوزیشنیں ہیں: ایک ہے اولیٰ، ایک وسطیٰ، ایک اخریٰ۔ یعنی پہلا دوسرا اور تیسرا۔ لوگوں نے اپنی سہولت کے لیے اس کا نام رکھا ہوا چھوٹا شیطان، بڑا شیطان، درمیانہ شیطان۔ ہیں تو سارے بڑے، چھوٹا تو کوئی نہیں ہے، بدبخت ہیں سب۔ مگر اپنی یادداشت کے لیے لوگوں نے نام رکھ لیے ہیں۔ تو جو آخری ہے اس کو اس دن رمی کی جاتی ہے۔ رمی کہتے ہیں کنکریاں مارنا۔ نبی علیہ السلام جب مزدلفہ سے چلے تو آپ ﷺ نے اس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ آپ کنکریاں چن لیں۔ تین دن جو کنکریاں ماری جاتی

ہیں مزدلفہ میں ان کا چننا یہ سنت عمل ہے۔ وہ کنکریاں بڑی نہیں ہوتیں، بڑے بڑے پتھر نہیں ہوتے۔ موٹے چنے کا دانہ جو پلاؤ میں ڈالتے ہیں، اس کے بقدر وہ کنکری ہوتی ہے، یہ سنت کے زیادہ قریب ہے، یہ اسی زمین میں سے ہونی چاہیے۔ تو یہ کنکریاں وہیں سے چن لیتے ہیں اور ان کو اپنے پاس رکھ کر شیطان کو مارتے ہیں، یہ ایک سنت عمل ہے۔

لطائف در عملِ رمی:

اس عمل میں اصل تو یہ ہے کہ شیطان سے اپنی نفرت کا اظہار کرنا ہوتا ہے مگر کنکریاں مارنے کے ساتھ اب کئی دوستوں کا کنکریاں مار کے جی نہیں بھرتا تو پھر وہ کیا کرتے ہیں کہ کنکریاں مارنے کے بعد وہ جوتا اتار کے مارتے ہیں۔ تو کئی دفعہ دیکھا کنکریاں مارنے کی جگہ جوتوں کا ڈھیر لگا ہوتا ہے۔

عجیب تماشے ہوتے ہیں، ایک مرتبہ ایک صاحب کنکریاں مارتے مارتے شیطان کے ساتھ ہی لپٹ گئے اور دوسرے لوگ اس کو بھی کنکریاں مار رہے تھے۔ جو شیطان کے ساتھ لپٹے گا تو وہ بھی کنکریاں کھائے گا۔

اور ایک صاحب ماشاء اللہ انہوں نے شیطان کو کنکریاں مارنی تھیں، سات کنکریاں مارنی ہوتی ہیں تو انہوں چھ کنکریاں ماریں اور ساتویں جیب میں ڈال لی، کسی نے کہا کہ ساتویں کیوں نہیں ماری تو کہنے لگا کہ اسکی ایک بہن میرے گھر میں ہے جا کر اس کو ماروں گا۔ وہ بے چارہ بیوی سے تنگ تھا۔

شیطان کو جوتے مارنے سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی سنت عمل سے تکلیف ہوتی ہے، سنت کے مطابق چھوٹا سا پتھر مارنا ایسا ہی ہے جیسے پستول کی گولی کسی کو ماردی۔ لہٰذہ سنت طریقے سے اس کو مارے۔

رمی کا ثواب:

یہ رمی اتنا بڑا عمل ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ہر کنکری کے بدلے اللہ تعالیٰ اتنا بڑا گناہ معاف کر دیتے ہیں کہ اگر معاف نہ ہوتا تو اس بندے کے لیے یقیناً جہنم میں جانے کا سبب بنتا۔ تو اصل میں شیطان کو کنکریاں مارنا اپنی نفرت کا اظہار ہے۔ جس کو کہتے ہیں: اَلْحُبُّ لِلّٰہِ اللہ کے لیے محبت، یہ تو ایمان والوں کے لیے، اور اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ اللہ کے لیے بغض، یہ شیطان کے لیے۔ تو مومن شیطان سے دلی نفرت کرتا ہے اور اس کو کنکریاں مارتا ہے۔

ترتیب مناسک کا حکم:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کنکریاں ماریں، پھر قربانی کی اور قربانی کرنے کے بعد حلق کروایا۔ اب یہ تین عمل ہیں کنکریاں مارنا، قربانی کرنا اور پھر حلق کروانا۔ تو امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان تینوں کے درمیان ترتیب بھی واجب ہے، کہتے ہیں: اگر ترتیب واجب آگے پیچھے ہوگی تو دم دینا پڑتا ہے۔

چنانچہ اس کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ملتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾ (البقرۃ:۱۹۶)

''جب تک قربانی نہ کر لے اس وقت اپنے بال نہ کٹوائے''

تو یہ تین عمل کرنے پڑتے ہیں، شیطان کو کنکریاں مارنا، پھر اس کے بعد قربانی کرنا، پھر اس کے بعد حلق کروالینا، یعنی بال کٹوالینا۔

موئے مبارک کا تحفہ:

ایک صحابی تھے معمر بن عبداللہ عدوی رضی اللہ عنہ، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے

مبارک کاٹے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بال مبارک بڑے تھے۔ جب آپ ﷺ نے حلق کروایا اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے آپ ﷺ نے ان کے ذمے لگایا کہ یہ میرے بال صحابہ میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ یہ موئے مبارک جو ہم کہتے ہیں مختلف جگہوں پر آج بھی محفوظ ہیں، یہ وہی ہدیہ ہے نبی ﷺ کا۔ اصل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج کے دو مہینے کے بعد دنیا سے پردہ فرمانا تھا تو آپ ﷺ نے اپنی یاد کے لیے، محبت کے لیے، تالیفِ قلب کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم میں وہ بال تقسیم کروا دیے۔

حفاظتِ نظر کی تربیت:

جب آپ ﷺ مزدلفہ سے روانہ ہوئے تھے تو فضل رضی اللہ عنہ یہ بچے تھے، نوجوان تھے۔ یہ نبی ﷺ کے پیچھے سواری کے ردیف تھے۔ راستے میں ایک عجیب بات ہوئی کہ راستے میں قبیلہ خثعم کی ایک عورت تھی وہ مسئلہ پوچھنے کے لیے آئی تھی تو فضل نے ان کی طرف دیکھا، عورت نے ان کی طرف دیکھا، تو نبی علیہ السلام نے فضل کو زبان سے کچھ نہیں کہا صرف ان کا سر پکڑ کر دوسری طرف پھیر دیا۔ ذرا غور کیجیے! اس میں کتنی بڑی حکمت تھی، اگر آپ ﷺ یوں فرماتے کہ بدنظری نہ کرو تو گویا ان کے ایک عمل پر نبی ﷺ کی گواہی پڑ جاتی۔ تو آپ ﷺ نے زبان سے کچھ نہیں فرمایا بس ان کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا۔ وہ سمجھ گئے کہ میں بھول گیا ہوں، مجھے آنکھوں کی حفاظت کرنی ہے۔

حج بدل کا مسئلہ:

اس عورت نے مسئلہ یہ پوچھا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! کوئی اپنے والد کی طرف سے بھی حج کر سکتا ہے۔ تو نبی ﷺ نے اس سے کہا کہ اگر تمہارے والد پر کسی کا

قرض ہو اور تمہارا والد فوت ہو جائے تو کیا وہ قرض کوئی دوسرا ادا کر سکتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ جی کرنا چاہیے۔ فرمایا کہ حج بھی اسی طرح جس کے اوپر فرض ہے اور وہ ادا نہیں کر سکا تو بعد والوں کو چاہیے کہ وہ اس کی طرف سے حج کو ادا کریں، یوں نبی ﷺ نے گویا اس مسئلے کو واضح فرما دیا۔

سقوطِ تلبیہ:

جب شیطان کو پہلی کنکری ماری جاتی ہے تو اس وقت تلبیہ پڑھنا بند ہو جاتا ہے، یعنی احرام باندھنے کے بعد لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ شروع ہو جاتا ہے اور اس کو پڑھتے رہتے ہیں اور پہلی کنکری مارنے کے بعد تلبیہ پھر ساقط ہو جاتا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع:

نبی ﷺ نے یہاں پر پھر ایک خطبہ دیا اس کو کہتے ہیں یوم نحر کا خطبہ کیونکہ اس دن قربانی کی جاتی ہے، پانچ خطبے سنت ہیں: ایک سات ذی الحجہ کو یوم ترویہ کا خطبہ، پھر ایک یوم عرفہ کا خطبہ اور دس ذی الحجہ کو یوم نحر کا خطبہ۔ نبی ﷺ نے اس دن خطبہ دیا اور اس خطبے میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ

((فَلْيُبَلِّغُوا الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))

”کہ تم میں سے جو حاضر ہے، وہ میرے اس پیغام کو ان تک بھی پہنچا دے، جو یہاں پر حاضر نہیں ہیں۔“

اس خطبے کو حجۃ الوداع کا خطبہ کہا جاتا ہے۔ حجۃ البلاغ اور حجۃ الاسلام بھی کہا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے اس موقع پر صحابہ کو الوداع بھی کہا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی:

جب قربانی کرنے کا وقت آیا تو نبی ﷺ نے ٹوٹل سو اونٹ قربان کیے، تریسٹھ اونٹ تو نبی علیہ السلام نے قربان کیے اور بقیہ اونٹوں کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ میری طرف سے قربانی کر دیجیے۔ اس کی تفصیل علما نے لکھی ہے کہ نبی ﷺ نے تیس اونٹ تو خود قربان فرمائے بغیر کسی کی مدد کے، ۳۳/ اونٹوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاونت کی تو تریسٹھ ہو گئے اور ۳۷/ اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود قربان کیے نبی علیہ السلام کی طرف سے۔ پانچ پانچ اونٹ گروہ کی شکل میں لائے جاتے تھے اور ان کو قربان کیا جاتا تھا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب وہ اونٹ نبی علیہ السلام کے قریب پہنچے تھے تو وہ اونٹ اپنی گردنوں کو لمبا کر دیتے تھے کہ اللہ کے حبیب ﷺ! مجھے قربانی کے لیے پہلے قبول فرمالیں۔

احرام سے فراغت:

قربانی کے بعد آپ ﷺ نے حلق کروایا اور اس کے بعد آپ ﷺ نے احرام اتار دیا۔ احرام اتارنے کے بعد احرام کی ساری پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، سوائے ایک پابندی کے۔ یعنی اس کے بعد آپ خوشبو بھی لگا سکتے ہیں، بال بھی کاٹ سکتے ہیں، ناخن کاٹ سکتے ہیں اور جو پابندیاں بھی احرام کی تھیں وہ سب ختم ہو جاتی ہیں البتہ ایک پابندی رہتی ہے کہ جب تک طواف زیارت نہ کر لیا جائے اس وقت تک میاں بیوی کا ملنا منع ہوتا ہے۔ اور یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے کہ حج تو تھا اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا دیدار کرنا۔ چنانچہ تم نے احرام باندھا، عرفات میں گئے، مزدلفہ میں شیطان کو کنکریاں ماریں، قربانی کی، اس کے بعد تم نے احرام اتارا، اب پہلے ہمارے ساتھ

تم ملاقات کرو پھر اس کے بعد مخلوق سے ملاقاتیں کرنا۔

طواف زیارت:

چنانچہ نبی ﷺ ۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ سے بیت اللہ آئے اور آپ ﷺ نے طواف کیا اور یہ طواف بغیر احرام کے تھا، اس کو طواف زیارت اور طواف افادہ کہتے ہیں، یہ حج کا دوسرا بڑا رکن ہے۔ احرام باندھنے کے بعد حج کے دو بڑے رکن ہیں: ایک وقوف عرفات کرنا، دوسرا طواف زیارت کرنا۔

طواف کی حقیقت:

طواف زیارت تو اصل میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کی مانند ہے کہ میزبان اپنے گھر بلائے اور خوب مہمان نوازی کرے اور اپنا دیدار نہ کروائے تو پھر بلانے کا کیا فائدہ؟ مگر یہ دیدار کرنا ہر بندے کی آنکھ کا کام تو نہیں ہے ۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں طواف کر رہا تھا ایک جوان العمر لڑکی کو دیکھا کہ وہ اللہ کی محبت میں اونچی اونچی آواز میں بڑے محبت اور عشق کے اشعار پڑھ رہی تھی۔ مجھے عجیب سا لگا کہ جوان لڑکی عشقیہ اشعار پڑھ رہی ہے تو میں نے اسے منع کیا کہ مناسب نہیں لگتا کہ تم اونچی آواز میں ایسے اشعار پڑھو! وہ مجھے کہنے لگی کہ حسن مجھے بتاؤ کہ گھر کا طواف کر رہے ہو یا رب العتیق کی تجلیات کا طواف کر رہے ہو۔ میں نے کہا کہ میں تو بیت اللہ کا طواف کر رہا ہوں۔

﴿ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴾ (الحج: ۲۹)

جب میں نے یہ کہا تو وہ مسکرائی اور کہنے لگی کہ ہاں جن کے دل پتھر ہوتے ہیں وہ اس پتھر کے گھر کا طواف کرتے ہیں اور جن کے دل زندہ ہوتے ہیں وہ پروردگار کی تجلیات کا طواف کر رہے ہوتے ہیں۔ تو اللہ والوں کو وہاں جا کر گویا صحیح اس کا اجر ملتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ اس کو طوافِ افادہ بھی کہتے ہیں۔

یہ طواف بارہ تاریخ کی مغرب سے پہلے پہلے کرنا ہوتا ہے، اگر بارہ تاریخ کی مغرب سے پہلے نہ کرسکیں تو پھر اس پر دم واجب ہو جاتا ہے۔ ہاں جس عورت نے نمازیں ہی نہیں پڑھیں اور وہ حرم میں جا ہی نہیں سکتی اس کے لیے چھوٹ ہے کہ وہ جب بھی پاک ہو گئی تو اس وقت طواف کرلے گی تو اس کا طواف اس وقت ادا ہو جائے گا۔

امت کو اپنے جھوٹے پانی کا تحفہ:

آپ ﷺ نے جب یہ طواف فرمایا تو اس کے بعد زم زم پر تشریف لائے اور آپ نے زم زم نوش فرمایا لیکن یہاں ایک عجیب بات پیش آئی کہ نبی ﷺ نے زم زم کا ڈول نکالا، ڈول سے پانی پیا اور پانی پینے کے بعد جو بچا ہوا پانی تھا نبی ﷺ نے وہ باقی پانی پھر زمزم کے کنویں میں ڈال دیا۔ یہ دراصل آپ ﷺ نے امت کو ہدیہ دیا کہ میرے بعد آنے والے جو بھی زمزم کو پئیں گے ان کو نبی علیہ السلام کے بچے ہوئے پانی کو پینے کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔ یہ آپ ﷺ کا امت پر کتنا بڑا احسان ہے؟

ملتزم سے لپٹنے کی کیفیت:

پھر اس کے بعد آپ ﷺ ملتزم پر تشریف لے آئے۔ ملتزم کہتے ہیں حجرِ اسود اور

بیت اللہ کے دروازے کے درمیان کی جگہ کو۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو ملتزم سے لپٹ
وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے اپنے اللہ سے معانقہ کیا۔ ملتزم سے لپٹنا ایک عجیب عمل
ہے۔ نبی ﷺ اس طرح لپٹے کہ آپ کا سینہ مبارک بھی دیوار کے ساتھ، رخسار مبارک
بھی دیوار کے ساتھ، ہاتھ اوپر تھے یعنی جیسے چھوٹا بچہ ماں کے سینے سے لپٹ جاتا ہے
اللہ کے حبیب ﷺ ملتزم سے اس طرح لپٹ گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ پیچھے کھڑے تھے، جب
آپ ﷺ دعا مانگ کر پیچھے ہٹے تو آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں میں آنسو تھے،
عمر رضی اللہ عنہ دیکھ کر حیران ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر! یہ وہ جگہ ہے جہاں آنسو
بہائے جاتے ہیں۔

طوافِ زیارت عارفین کی نظر میں:

کسی نے جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بیت اللہ تو مسجد حرام کے اندر ہے اور
اس کے گرد حرم ہے اور عرفات تو حرم سے باہر ہے تو اللہ تعالیٰ نے حاجیوں کو حرم سے باہر
کیوں بلایا؟ انہوں نے فرمایا کہ دیکھو جب بادشاہ کسی کو آنے کی دعوت دیتا ہے تو
دروازے پر بلاتا ہے تو حرم کے باہر مقامِ عرفات یہ حرم کا حصہ ہے، ساری دنیا کے
عشاق کو اللہ نے دروازے پر جمع کر لیا: آؤ ہمارے دروازے پر۔

اجازت ہو تو میں بھی آ کے شامل ان میں ہو جاؤں
سنا ہے کل تیرے در پہ ہجومِ عاشقاں ہوگا

یہ دس ذی الحجہ کو مقامِ عرفات پر عاشقوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ اب جب انہوں نے
اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اور اللہ تعالیٰ نے فریاد کو قبول کر کے کہا: اچھا اب تم ذرا
دروازے سے اندر داخل ہو کر آ جاؤ اور ان کو پھر مزدلفہ میں روک لیا۔ فرمایا وہ تو باہر کا
صحن والا دروازہ تھا، کمرے کا بھی تو دروازہ ہوتا ہے۔ اب مزدلفہ میں پھر مجھ سے

فریادیں کرو۔ چنانچہ وقوفِ مزدلفہ کا مطلب پھر اللہ سے عاجزی اور آہ وزاری کرنا ہے تاکہ اللہ حرم میں آنے کی توفیق دے دے۔ چنانچہ پھر اجازت مل گئی۔

مگر پھر فرمایا کہ دیکھو میرے پاس آنے سے پہلے شیطان بدبخت جو میرا بھی دشمن ہے اور تمہارا بھی دشمن، ذرا ثابت کرو کہ تم واقعی اس کو دشمن سمجھتے ہو۔ لہٰذا جاؤ اس کو جا کر ذرا کنکریاں مارو۔ یا اللہ! کنکریاں بھی مار لیں اب کیا کروں؟ فرمایا کہ دیکھو! تم اپنی خواہشات کو میرے حکم پر قربان کر دینا اسی کا نام بندگی ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جانور قربان کر کے دکھاؤ۔

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ (الحج: ۳۷)

ہم نے تو یہ دیکھنا ہے کہ تم اپنی خواہشات کو اس طرح قربان کرتے ہو کہ نہیں کرتے۔ اللہ میں نے قربانی بھی کر دی، فرمایا: آجاؤ طواف کے لیے اور آجاؤ میری زیارت کے لیے تو طوافِ زیارت اصل میں مقصود ہے حج کا، وہاں جا کر حج کا یہ عمل مکمل ہوتا ہے۔

پوچھنے والے نے پوچھا کہ جی طوافِ زیارت سے چلو حج مکمل ہو گیا، یہ جو لوگ بیت اللہ کے غلاف کو پکڑ کر دعائیں مانگتے ہیں، یہ کیا ہوا ہے؟ تو جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی زیادہ ناراض ہوتا ہے تو تم نے دیکھا نہیں کہ لوگ اس کو منانے کے لیے اس کے دامن کو پکڑ لیتے ہیں تو بیت اللہ کے غلاف کو پکڑنا حقیقت میں اس مالک الملک کے دامن کو پکڑ کے دعا مانگنے کی طرح ہے۔ کیسے خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی میں سفر کرتے ہیں۔ لبیک اللھم لبیک پڑھتے ہیں۔ کوئی اللہ کے گھر کا طواف کرتا ہے، کوئی مقامِ ابراہیم پہ سجدے کرتا ہے، کوئی حجرِ اسود کو بوسے

دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان عشاق میں شامل فرمائے اور ہمیں زندگی میں بار بار اس جگہ کی حاضری کی توفیق عطا فرمائے۔

طوافِ وداع:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ طواف مکمل کر لیا پھر اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے تیرہ ذی الحجہ کو کوچ فرمایا اور پھر واپس منیٰ تشریف لائے۔ بارہ ذی الحجہ کو کہتے ہیں یوم النحر الاول اور تیرہ ذی الحجہ کو کہتے **یوم النحر الثانی**۔ بارہ کو بھی کنکریاں مار کے غروب سے پہلے آسکتے ہیں اور اگر چاہیں تو تیرہ کو بھی کنکریاں مار کے غروب کے بعد آسکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب واپس آرہے تھے تو راستے میں ایک جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر کے لیے قیام فرمایا۔ اور وہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر، مغرب، عشا کی نمازیں پڑھیں اور وہاں پر ایک قبیلے کے لوگ تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پیش کیا۔ اب بھی ایسا ہوتا ہے کہ جو حاجی منیٰ سے چل کر اس جگہ پہنچتے ہیں تو وہاں کے قبیلے کے لوگ اب بھی ان کو دودھ پلاتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اپنے خیموں پر تشریف لے آئے اور اس سے اگلے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طوافِ وداع فرمایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عمرہ:

جب طوافِ وداع فرمایا۔ تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اب غسل فرما لیا تھا۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں کیا کروں؟ میرا عمرہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا اب آپ اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابوبکر کے ساتھ جاؤ اور عمرہ کر کے آؤ، میں تمہارا انتظار کروں گا۔ چنانچہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے وہاں سے پھر عمرے کا احرام باندھا، اسی جگہ کو مسجدِ عائشہ کہتے ہیں۔ یہ امت پر ام المومنین کا احسان

ہے کہ ان کی وجہ سے حرم کے اتنا قریب ہمیں اللہ نے احرام باندھنے کی سعادت عطا فرما دی۔ ورنہ تو معلوم نہیں احرام باندھنے کے لیے کہاں جانا پڑتا؟ وہاں سے احرام باندھا، چنانچہ صحابہ نے جب بھی عمرہ کرنا ہوتا تھا تو مسجد عائشہ آ کر وہاں سے احرام باندھا کرتے تھے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی امارت کے وقت میں جب بیت اللہ کی کنسٹرکشن دوبارہ کی اور انہوں نے اعلان فرمایا کہ اہلِ مکہ شکرانے کے طور عمرہ ادا کریں کہ اللہ نے ہمیں بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر کی توفیق دی تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد عائشہ آئے، وہاں سے انہوں نے احرام باندھا اور عمرہ کیا۔

مدینہ طیبہ کو واپسی:

جب یہ عمل مکمل ہو گیا تو نبی علیہ السلام وہاں سے مدینہ طیبہ واپس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں داخل ہونے لگے تو آپ کی نظر جبلِ احد پر پڑی تو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ))

”یہ احد پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں“

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے انسانوں نے تو محبت کی حیوانوں نے بھی کی، جمادات نے، نباتات نے سب نے محبت کی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ کل جہاں کہلاتے ہیں۔

رمضان شریف میں عمرہ کی فضیلت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اُمِ سلیم ایک صحابیہ تھیں، وہ حاضر ہوئیں کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو اس مجبوری کی وجہ سے آپ کے ساتھ حج

نہیں کر سکی۔ تو نبی علیہ السلام نے ان کی تالیفِ قلب کے لیے فرمایا جو شخص میرے بعد رمضان المبارک میں عمرہ کرے گا اس کو میرے ساتھ حج کرنے کا اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائیں گے۔ ابھی بھی یہ سعادت باقی ہے، رمضان میں کوئی عمرہ کرے تو نبی علیہ السلام کے ساتھ حج کی سعادت اور جس پر حج فرض ہو اس کو چاہیے کہ وہ پہلی فرصت میں حج کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس فریضے کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ﴾ (سورۃ النساء:۱۳۱)

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 25 فروری 2011ء ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: بیان جمعۃ المبارک

اقتباس

اس کی ایک چھوٹی سی مثال سن لیں۔ اگر ایک غلام اپنے مالک کی ہر بات مانے جیسا وہ کہے ویسا کرے، جس سے منع کرے اس سے رک جائے، تو اس غلام کو شاباش ملتی ہے، اسے ڈانٹا نہیں جاتا، تنخواہ نہیں روکی جاتی، اس کو سزا نہیں دی جاتی، اس سے ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ وہ تو مالک کو خوش کرنے والا بندہ ہے، جو کرنے کا کہا گیا کر رہا ہے، جس سے روکا گیا اس سے بچ رہا ہے۔ جس طرح ایک غلام اپنے آقا کی نظر میں مقبول بنتا ہے اسی طرح شریعت میں اسے تقویٰ کہتے ہیں کہ انسان جو اوامرِ الٰہی ہیں ان پر عمل کرے اور جو نواہی ہیں ان سے بچ جائے اور اللہ کی نظر میں مقبول ہو جائے۔ اسی کا نام تقویٰ ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

تقویٰ کے اثرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (سورۃ النساء:۱۳۱)

و قال الله فی مقام آخر

﴿وَاتَّقُوْنِ يَا اُولِى الْاَلْبَابِ﴾ (البقرۃ:۱۹۷)

وقال الله فی مقام آخر

﴿وَاِيَّایَ فَاتَّقُوْنِ﴾ (البقرۃ:۴۱)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٥ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

تقویٰ کی وصیت:

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾

”اور ہم نے تم سے پہلے جو اہل کتاب تھے ان کو بھی یہ وصیت کی“

﴿وَاِيَّاكُمْ﴾

اور تمہیں بھی یہی وصیت نصیحت کے رنگ میں کرتے ہیں۔

﴿وَاَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ”اللہ سے ڈرو“

یہاں اس حکم کی اہمیت کا اندازہ لگائیں کہ پروردگار فرما رہے ہیں کہ تم سے پہلے لوگوں کو بھی ہم نے یہ نصیحت کی اور تمہیں بھی کر رہے ہیں کہ تقویٰ کو اختیار کرلو۔

تقویٰ کیا ہے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کہتے کسے ہیں۔ شیخ زروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلتَّقْوٰی هِیَ فِعْلُ الْوَاجِبَاتِ الْمَعْلُوْمَةِ وَ تَرْكُ الْمُحَرَّمَاتِ الْمَشْهُوْرَةِ

”تقویٰ کہتے ہیں کہ جو فرائض ہیں ان پر عمل کیا جائے اور جو گناہ ہیں ان سے بچا جائے“

بعض بزرگوں نے کہا:

اَلتَّقْوٰی هِیَ اِتِّقَاءُ عَذَابِ اللّٰهِ بِاِمْتِثَالِ اَوَامِرِهٖ وَ اِجْتِنَابِ نَوَاهِیْهِ

”تقویٰ کہتے ہیں اللہ کے عذاب سے بچنا، اللہ کے حکموں پر عمل کر کے اور نافرمانیوں سے بچ کر“

اس کی ایک چھوٹی سی مثال سن لیں۔ اگر ایک غلام اپنے مالک کی ہر بات مانے جیسا وہ کہے ویسا کرے، جس سے منع کرے اس سے رک جائے، تو اس غلام کو شاباش ملتی ہے، اسے ڈانٹا نہیں جاتا، تنخواہ نہیں روکی جاتی، اس کو سزا نہیں دی جاتی، اس سے ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ وہ تو مالک کو خوش کرنے والا بندہ ہے، جو کرنے کا کہا گیا کر رہا ہے، جس سے روکا گیا اس سے بچ رہا ہے۔ جس طرح ایک غلام اپنے آقا کی نظر میں مقبول بنتا ہے، شریعت میں اسے تقویٰ کہتے ہیں کہ انسان جو اوامرِ الٰہی ہیں

ہیں ان پر عمل کرے اور جو نواہی ہیں ان سے بچ جائے اور اللہ کی نظر میں مقبول ہو جائے۔ اسی کا نام تقویٰ ہے۔

دل کے بگاڑ سے بگڑتا ہے آدمی:

انسان گناہ کیوں کرتا ہے؟ اس کی بنیادی وجہ اس کے دل کا بگڑنا ہے۔

دل کے بگاڑ سے ہی بگڑتا ہے آدمی
جس نے اسے سنوار لیا وہ سنور گیا

گویا اندر سے انسان بگڑتا ہے اور اس کے اثرات اس کے اعضاء اور جوارح پر نظر آتے ہیں۔ اور آج کے اس دور میں جب کہ عریانی اور فحاشی عام ہے، دل کی دنیا تاریک ہوتی جارہی ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

ساری دنیا کو قمقموں سے روشن کرنے والا انسان اپنے دل میں اندھیرا لیے پھر رہا ہے۔ انسان کے دل میں جیسی حالت ہوتی ہے ویسی اس کے اعضا اور جوارح پر ظاہر ہوتی ہے۔ جب دل میں ظلمت ہو تو اعمال فاسدہ ہوتے ہیں، جب قلب منور ہوتا ہے اعمال صالحہ ہوتے ہیں۔ علما نے لکھا ہے:

اَلْقَلْبُ الْمُنَوَّرُ یَظْهَرُ عَلَی الْجَوَارِحِ اٰثَارُهٗ وَهِیَ الْمُوَافِقَةُ

"دل منور ہوتا ہے تو اعمال شریعت کے موافق ہوتے ہیں"

وَالْقَلْبُ الْمُظْلِمُ یَظْهَرُ عَلَی الْجَوَارِحِ اٰثَارُهٗ وَهِیَ الْمُخَالِفَةُ

"اور جب دل سیاہ ہوتا ہے تو پھر اعضا سے مخالفت ظاہر ہوتی ہے"

چنانچہ دل زندہ ہو تو موافقت ہوگی اور دل مردہ ہو تو مخالفت ہوگی۔ اس لیے کہنے والے نے کہا: ؎

دل زندہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

ہماری پرانی مرضوں کا علاج یہی ہے کہ دل زندہ ہو جائے۔

اللہ سے فقط بندگی کا تعلق:

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اللہ کے ساتھ بندوں کا رشتہ فقط بندگی کا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ اَحَدٍ سَبَبٌ اِلَّا طَاعَتَہٗ

"بے شک اللہ اور کسی بھی بندے کے درمیان اور کوئی تعلق نہیں سوائے طاعت کے"

جو اطاعت کرے گا اللہ کا محبوب جو نافرمانی کرے گا وہ اللہ سے دور۔ جو بندگی کرے گا وہ مقبول اور جو بندگی سے ہٹے گا وہ اللہ کی نظر میں غیر مقبول ہو جائے گا۔

◉ اس کی مثال اگر ماضی بعید میں دیکھنا ہے تو پھر بلعم باعور کو دیکھیے۔ عبادت کرنے والا تھا، نیکی کرنے والا تھا، چار سو سال تک اس نے عبادت کی حتیٰ کہ اللہ رب العزت نے اسے اپنے مستجاب الدعوات بندوں میں شامل فرما لیا۔ اب ایسا مقام مل جانا کہ جو دعا مانگو وہ قبول ہو یہ بڑے درجے اور نصیب کی بات ہے۔ لیکن اسی بندے نے وقت کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔

﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ

كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾ (الاعراف:۱۷۶)

''اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس کے درجے کو بلند کر دیتے، مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑا، تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی۔''

اس نے خواہشات کی پیروی کی پھر ہم نے اسے گرا دیا۔ پھر کیا ہوا ﴿فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾ اس کی مثال تو کتے کی مانند ہے۔ ایک ہی بندہ ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے رستے پر چلا تو مستجاب الدعوات بن گیا، اسی بندے نے وقت کے پیغمبر کی مخالفت کی، اللہ فرماتے ہیں اس کی مثال تو کتے کی مانند ہے۔ راندۂ درگاہ بنا دیا گیا۔

⊙ اگر ماضی قریب میں کوئی مثال دیکھنی ہے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مثال کو دیکھیے، حبشہ کے رہنے والے ہیں، رنگ کالا، شکل انوکھی، ظاہری طور پر معمولی حیثیت ہے مگر نیکی کی وجہ سے وہ درجہ پایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کسی کے قدموں کی آواز سنی، پوچھا جبرئیل! یہ کس کی آواز ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بلال کے قدموں کی آواز ہے، آپ کا یہ غلام چلتا زمین پر ہے جنت میں اس کے قدموں کی آواز سنائی دیتی ہے۔

دوسری طرف دیکھیے! ولید، سردارانِ قریش میں سے تھا، بہت خوبصورت تھا، بھرپور جوان تھا، گیارہ بیٹے تھے، مال و دولت بہت تھا، وہ اپنے آپ کو مردِ وحید سمجھتا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝﴾ (مدثر)

اے محبوب! چھوڑیے مجھ کو یہ جو اپنے آپ کو وحیدِ زماں سمجھتا ہے۔

﴿وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ۝ وَبَنِينَ شُهُودًا ۝ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ۝ ثُمَّ

يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ٥ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ٥﴾

''اور اسے ہم نے مالِ کثیر دیا اور حاضر رہنے والے بیٹے دیے، اور ہر طرح کے سامان میں وسعت دی، ابھی خواہش رکھتا ہے کہ اور زیادہ ملے، ایسا ہرگز نہیں ہوگا یہ ہماری نشانیوں کا دشمن ہے''

غور کریں کہ کتنا کچھ اس کے پاس تھا۔ لیکن ایک وقت آیا کہ نبی علیہ السلام کی مخالفت کرنے سے وہ مردود ہوا اور بالآخر قرآن مجید نے اس کے جہنمی ہونے پر مہر لگا دی۔

تو معلوم ہوا کہ بندے اور اللہ کے درمیان اگر کوئی تعلق ہے تو وہ بندگی کا تعلق ہے۔ جو بندگی کرے گا وہ مقبول اور جو گناہوں پر چلے گا وہ مردود ہے۔ چاہے کسی خاندان سے ہو، اور کیسی ہی شکل ہو۔

عمر رضی اللہ عنہ کی ایک صحابی کو نصیحت:

اس لیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی:

عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ

''آپ تقویٰ کو لازم پکڑیں''

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُ السَّيِّءَ بِالسَّيِّءِ وَ لٰكِنَّهٗ يَمْحُو السَّيِّءَ بِالْحَسَنِ

''اللہ برائی سے برائی کو نہیں ختم کرتے بلکہ برائی کو نیکیوں سے دھو دیتے ہیں''

وَلَا يَغُرَّنَّكَ اَنَّكَ تُقَالُ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ خَالُ رَسُوْلِ اللّٰهِ

اور اس بات پہ دھوکے میں نہ پڑیں کہ لوگ آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خالو کہتے ہیں۔

اب سوچیے! امیر المومنین ایک صحابی کو نصیحت کر رہے ہیں کہ بھروسہ مت کرنا کہ

میری نبی ﷺ سے رشتہ داری ہے، بھروسہ مت کرنا کہ میں نے صحبت پائی ہے، اللہ کے ساتھ بندے کا تعلق فقط انسان کی بندگی کا ہے۔

دنیا وآخرت کی بھلائی دو لفظوں میں:

چنانچہ

خَیْرُ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ فِیْ حَرْفَیْنِ

دنیا اور آخرت کی بھلائیاں صرف دو لفظوں میں ہیں۔

اَنْ یَّعْرِفَ مَعْبُوْدَہٗ وَ یَعْبُدَہٗ

کہ بندہ اپنے اللہ کو پہچانے اور اس کی عبادت کرے۔

ساری دنیا کے معارف کا نچوڑ یہی ہے۔

اللہ کا حضرت داؤد علیہ السلام کو پیغام:

اللہ نے داؤد علیہ السلام کو فرمایا:

یَا دَاوٗدُ طَھِّرْ ثِیَابَکَ الْبَاطِنَ

اے داؤد! اپنے باطن کی پوشاک کو پاک کر لیجیے!

وَاَمَّا الظَّاھِرَ فَلَا تَنْفَعُکَ عِنْدِیْ

ظاہر کے کپڑوں کا میرے سامنے کوئی اثر نہیں۔

تم بن سنور کر چہرہ سجا کے خوشبو لگا کے جب لوگوں میں نکلتے ہو تو لوگ متاثر ہوتے ہیں، میں تو تمہارے عملوں کو دیکھتا ہوں۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَمْوَالِکُمْ﴾

"اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتے تمہاری شکلوں اور صورتوں کو نہیں دیکھتے تمہارے مال

پیسے کو"

﴿وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ﴾

"وہ دیکھتے ہیں تمہارے دلوں کو اور تمہارے عملوں کو"

اس لیے فرمایا:

يَا دَاوٗدُ مَنْ غَضَّ طَرْفَهٗ جس نے اپنی آنکھوں کو غیر محرم سے بچالیا۔

وَصَانَ فَرْجَهٗ اپنے ناموس کی حفاظت کرلی

وَحَفِظَ لِسَانَهٗ اور اپنی زبان کی حفاظت کرلی

فَهُوَ عِنْدِيْ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ وہ میرے مقربین میں ہوجائے گا۔

جنت میں داخلے کی ضمانت:

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو اور شارٹ کٹ کردیا، فرمایا:

دو چیزیں ہیں ان کے صحیح استعمال کی مجھے ضمانت دے دو تو میں تمہیں جنت میں داخل ہونے کی ضمانت دیتا ہوں۔

((مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ))

"وہ جو دو جبڑوں کے درمیان (زبان) ہے اور جو دو رانوں کے درمیان (شرم گاہ) ہے۔"

جو ان دو کو صحیح استعمال کرے گا، اللہ کے حبیب ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اس کو جنت میں داخلے کی ضمانت دیتا ہوں۔

تقویٰ کی برکات:

چنانچہ جو شخص بھی متقی ہوتا ہے، اللہ رب العزت کی طرف سے اسے بہت برکات ملتی ہیں۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔

فَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّفْتَحَ اللّٰهُ عَلَیْهِ بَرَکَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

جو چاہے کہ اس کے لیے آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھل جائیں۔

وَ یَجْعَلَ اللّٰهُ مَخْرَجًا

''اور اللہ مصیبت میں سے نکلنے کا راستہ بنا دے''

وَ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ

''اور اللہ ایسی طرف سے رزق دے جہاں سے بندے کو گمان بھی نہ ہو۔''

وَ یُکَفِّرَ عَنْهُ سَیِّئَاتِهٖ

''اور اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے۔''

وَ یُعْظِمَ لَهٗ اَجْرًا

''اور اس کے اجر کو زیادہ کر دے۔''

وَ یَجْعَلَ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرٰی

''اللہ اس کے کاموں میں آسانیاں کر دے۔''

وَ یَکُوْنَ مَعَهٗ وَ یُحِبَّهٗ

اور اللہ اس کے ساتھ ہو جائے اور اس سے محبت کرے۔

وَ یُنْجِیَهٗ

اور اللہ ہر مصیبت سے نجات عطا کروائے۔

وَ یَکُوْنَ مِنَ الْفَآئِزِیْنَ

اور جو کامیابی حاصل کرنے والوں میں سے بن جائے۔

فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ

اس کو چاہیے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے۔
تقویٰ اختیار کرنے پر یہ تمام نعمتیں انسان کو ملتی ہیں۔

اللہ رب العزت کا وعدہ:

چنانچہ اللہ رب العزت نے ایک جگہ ارشاد فرمایا:
﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ﴾ (الاعراف:۹۶)

''اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیتے۔''

شیخ انور تجبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے رحمۃ اللہ علیہ

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَدَقُوْا وَعْدِيْ

اگر یہ میرے وعدوں کو سچ کر دکھاتے۔

وَاتَّقَوْا مُخَالَفَتِيْ

اور میری مخالفت سے ہٹ جاتے۔

لَنَوَّرْتُ قُلُوْبَهُمْ بِمُشَاهَدَتِيْ

میں ان دلوں کو اپنے مشاہدے کا نور عطا فرمادیتا۔

تقویٰ کا اثر آئندہ نسلوں پر:

چنانچہ یہ تقویٰ وہ نعمت ہے جس کا اثر آئندہ نسلوں تک جاتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ يَحْفَظُ الرَّجُلَ الصَّالِحَ فِيْ أَهْلِهِ وَ وَلَدِهِ"

کہ جو نیک بندہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی اولاد میں اور اس کے پوتوں میں بھی اس کی نیکی کا اثر جاری فرما دیتے ہیں۔

چنانچہ سورۂ کہف میں ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شہر میں دو یتیم بچے تھے جن کی دیوار کو ٹھیک کیا تھا۔

﴿فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ (الکہف:۸۲)

کس لیے کیا تھا؟

﴿وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا﴾ (الکہف:۸۲)

"اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا"

﴿وَكَانَ أَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ (الکہف:۸۲)

"اور ابو ان کا نیک تھا"

مفسرین نے لکھا کہ ساتویں پشت اوپر وہ بزرگ تھے، جن کے بارے میں فرمایا کہ وہ نیک تھے۔ ان کی نیکی کی وجہ سے ساتویں پشت کے بچوں کی بھی اللہ حفاظت فرما رہے ہیں۔

ایک حدیث پاک میں فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ يَحْفَظُ بِالرَّجُلِ الصَّالِحِ وَلَدَهٗ وَوَلَدَ وَلَدِهٖ»

اللہ بندے کی نیک بندے کی وجہ سے اس کی اولاد کی بھی حفاظت کرتے ہیں اور اولاد کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔

متقین کے ساتھ ارادۂ خیر:

"پھر اللہ ایسے بندوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"

((اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَیْرًا اِسْتَعْمَلَ))

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں، اسے استعمال کر لیتے ہیں۔''

((قِیْلَ کَیْفَ یَسْتَعْمِلُهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ))

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! بندے کو کیسے استعمال فرماتے ہیں؟

((قَالَ یُوَفِّقُهٗ بِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ))

''اللہ تعالیٰ موت سے پہلے اسے نیک اعمال کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں''

بدکاروں کا عبرتناک انجام:

یہ اللہ تعالیٰ کی اس بندے کے ساتھ خصوصی رحمت اور مہربانی ہوتی ہے۔ چنانچہ جو بدکار ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ناراض ہوتے ہیں تو ان کو بری موت دے دیتے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ مرزا قادیانی کو کہاں موت آئی؟ بیت الخلا کے اندر کتنی بری موت ہے۔

ہم نے ''جپہ سلطان'' کے علاقے میں ایک وکیل کو دیکھا، وہ دہریہ تھا، ماں باپ بھی تنگ تھے، میرے پاس اس کو لے کر آئے کہ جی اسے سمجھائیں۔ خیر میں نے اسے سمجھایا مگر وہ کوئی حد سے زیادہ بگڑا ہوا تھا، کہنے لگا: کہ جی خدا نے ہمیں نہیں بنایا ہم نے خدا کے تصور کو بنالیا ہے، دلائل سے بات سمجھائی، نہ سمجھا۔ آخر پہ کہنے لگا کہ مولوی صاحب! جتنا آپ اللہ سے ڈرتے ہیں میں نہیں ڈرتا تو میں نے کہا کہ پھر آپ اللہ کی طرف سے عذاب کے کوڑے کے لیے تیار ہو جائیں، بات آئی گئی ہوگئی۔ چھ مہینے کے بعد فون کر کے وہاں سے ایک بندے نے بتایا کہ اس شخص کو اللہ نے ایک ایسی بیماری

میں مبتلا کر دیا کہ ابکائی آتی تھی اور منہ کے راستے سے پاخانہ نکلا کرتا تھا، پاخانے کی بو ہوتی تھی، اس بری حالت میں اس بندے کی موت آ گئی۔

ہم چھوٹے چھوٹے تھے پرائمری سکول میں پڑھتے تھے، تو عاجز ایک کلاس فیلو کے ساتھ سکول سے گھر آ رہا تھا۔ وہ مجھے کہنے لگا کہ آؤ تماشا دیکھو۔ وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا، وہاں ہم نے دیکھا کہ ایک بندے کو رسیوں سے باندھا ہوا ہے اور وہ ایسے بھونکتا ہے، جیسے کتا بھونکتا ہے۔ ہو بہو اسی طرح بکھرے بال، اس کو دیکھ کر میں بہت گھبرایا۔ گھر آیا، پتہ چلا کہ دوسرے دن اس کی وفات ہو گئی۔ بعد میں مجھے والدہ نے بتایا کہ یہ وہ بندہ تھا جو نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کیا کرتا تھا۔ اپنی آنکھوں سے میں نے اسے کتے کی طرح بھونک بھونک کے مرتے ہوئے دیکھا۔

فرمانبرداروں کی قابلِ رشک موت:

تو جس بندے سے اللہ ناراض ہوتے ہیں اللہ پھر اس کی موت عبرتناک بنا دیتے ہیں اور جس بندے سے اللہ راضی ہوتے ہیں تو کوئی غلطیاں کوتاہیاں بھی کر لیتا ہے تو موت سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

◉ چنانچہ ہمارے ایک تعلق والے تھے ہمارے ایک دوست کے وہ سسر تھے۔ وہ مجھے فرماتے تھے کہ تم میرے دوست ہو، میں ان کے بچوں کی عمر کا تھا تو مجھے بڑی حیا محسوس ہوتی تھی کہ یہ سفید ریش ہیں، اتنے بڑے ہیں۔ مگر ان کی محبت تھی کہ جب بھی ان کے ہاں جانا ہوتا تو وہ دو زانو سامنے بیٹھتے اور کہتے کہ نصیحت کرو، تمہاری نصیحت میرے دل کو کھینچ کرتی ہے اور کثرت سے روتے تھے۔ ان کی ایک ہی تمنا تھی کہ اللہ مدینے میں موت عطا کر دے۔ اللہ اکبر۔ اللہ رب العزت نے ان کی دعا کو ایسا قبول کیا کہ رمضان المبارک میں، روزے کے ساتھ، باوضو، مسجد نبوی میں،

ریاض الجنۃ کے اندر، اعتکاف کی حالت میں، عصر کی نماز ادا کر رہے تھے، جب دوسری مرتبہ سجدے میں جاتے ہیں روح قبض ہو جاتی ہے۔ تو جس بندے سے اللہ راضی ہوتے ہیں تو اس کے لیے پھر اچھی موت کی ایسی سبیل پیدا فرما دیتے ہیں۔

◉ بیرون ملک میں ایک بچی تھی، وہ ہندو گھرانے سے تھی، اللہ نے اسے ایمان کی توفیق عطا فرما دی، مسلمان ہو گئی۔ اس کے بعد وہ کہیں مجلسِ ذکر ہوتی، خواتین کی وعظ و نصیحت ہوتی تو وہ باقاعدگی سے آتی۔ امیر عورت تھی، خود کاروبار کرتی تھی، آفس میں کام کرنے والی تھی، اللہ نے زندگی بدل کر رکھ دی۔ اب جب اس کی زندگی بدلی تو اس کے دل میں ایک تمنا ہوئی کہ میں مدینہ جاؤں اور باقی زندگی مدینہ میں گزاروں۔ اللہ نے رحمت کر دی، اس کا نکاح ایک ایسے بندے کے ساتھ ہوا کہ جس نے کہا کہ ٹھیک ہے مدینہ چلتے ہیں۔ وہ اس ملک کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے وہاں سیٹ ہو گئے تھے، جب بھی فون پر بات کرتی تھی اس کی ایک تمنا ہوتی تھی اللہ مدینے کی موت دے دے۔ ایک دن ہم نے خبر سنی کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ عمرے کے لیے مدینہ سے مکہ مکرمہ گئی، عمرہ کیا اور احرام ابھی نہیں اتارا تھا، بال کاٹ لیے اور سوچا کہ واپس مدینہ جا کے نہائیں دھوئیں گے اور وہیں پورے کپڑے بدل لیں گے۔ واپسی میں راستے میں آ رہے تھے کہ اچانک روڈ ایکسیڈنٹ ہوا اللہ نے اس کو موت دے دی۔ اور پھر اس کی مسجد نبوی میں جنازے کی نماز ہوئی، اللہ نے جنت البقیع میں جگہ عطا فرما دی۔ جس بندے پر اللہ کی رحمت کی نظر ہو جاتی ہے پھر اللہ اس کے انجام کو اچھا فرما دیتے ہیں۔

◉ چنانچہ ایک صاحب یہیں اسی شہر میں تھے، کئی لوگ نام جانتے ہوں گے، کاروباری انسان تھے، جیسے دنیا دار لوگ ہوتے ہیں، دنیا دار تھے۔ مگر اللہ نے ان کو

خوب مال پیسہ دیا تھا۔ ان کی ایک خاص صفت یہ تھی کہ وہ اللہ کے راستے میں خوب دیتے تھے۔ اب ان کا دینا کام آ گیا یا کسی کی انہوں نے ضرورت پوری کی ہوگی تو اس بندے کی دعا لگ گئی۔ کسی بیوہ کی رخصتی کروا دی، کسی کے ہاتھ پیلے ہو گئے، اس نے دعائیں دیں، بہر حال کوئی اس کا عمل اللہ کو پسند آ گیا۔ ان کی والدہ کی وفات ہوئی، وفات کے بعد مجھے کہنے لگے کہ ایک تو میں نے داڑھی کی نیت کر لی ہے، ایک میں نے قرآن پاک کی یاد کرنے کی نیت کر لی ہے۔ میں بڑا حیران ہوا کہ کاروباری بندہ ہو کر داڑھی رکھ لی اور پانچ وقت کی نماز شروع کر دی۔ اللہ کی شان دیکھیے کوئی دو چار مہینے گزرے ہوں گے، عصر کی نماز پڑھنے کے لیے صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تکبیر میں کہوں گا، عصر کی نماز کی اقامت کہتے ہوئے اشھد ان محمدا کا لفظ کہا، دل کا دورہ پڑا اور وہیں موت آ گئی۔ تو یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے خوش ہو جاتے ہیں تو اس کے لیے پھر اچھی موت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور جب موت اچھی آ گئی تو اب پھر انسان کا انجام اچھا ہو گیا۔

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ))

''اعمال کا دارومدار تو اختتام کے اوپر ہے''

◉ چنانچہ نبی ﷺ کی موجودگی میں ایک صاحب آئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اب اللہ نے کفر سے اسلام کی توفیق بخش دی، ادھر احد کی جنگ تھی تو مسلمانوں کے اوپر حملہ ہو رہا تھا۔ وہ جنگ میں گھسے

((فَقَاتَلَ حَتّٰی قُتِلَ))

''قتال کرتے رہے، کرتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے''

نبی ﷺ نے فرمایا: جس کسی نے دیکھنا ہو کہ کوئی نماز پڑھے بغیر جنت میں داخل

ہوا، اس صحابی کو دیکھ لے، کفر سے اٹھا کر اللہ نے جنت میں پہنچا دیا۔

تو جو انسان اللہ سے ڈرتا ہے، جو انسان اللہ رب العزت سے خوف کھاتا ہے، گناہوں سے بچتا ہے پھر اللہ انجام اچھا کر دیتے ہیں۔ اور جو بے خوف ہو جاتا ہے، نڈر ہو جاتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ انجام برا کر دیتے ہیں۔ اس لیے عقل مند انسان وہ جو گناہوں کو چھوڑ دے اور اگر گناہ کا مرتکب ہو تو اپنے آپ کو مجرم تو سمجھے تاکہ میں خبیث ہوں، میرا نفس امارہ ہے، میں گناہوں سے نہیں بچ سکتا۔ اللہ معاف کر دے، معافی تو مانگے۔

تقویٰ پر مدارِ نجات:

چنانچہ فرمایا:

((اَلَا بِقَدْرِ تَقْوَى اللّٰهِ تَأْتِي الْمَوَاهِبُ))

''تقویٰ کے مطابق بندے کے اوپر اللہ کی طرف سے بخشش ہوتی ہے''

((وَتَأْتِيْ عَلٰى قَدْرِ الذُّنُوْبِ الْمَصَائِبُ))

''اور جتنا انسان گناہ کرتا ہے اتنا اللہ کی طرف سے مصیبتیں اس کے اوپر بھیجی جاتی ہیں''

چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (روم: ۴۱)

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ جو خشکی اور تری میں فساد نظر آتا ہے، سب انسانوں کے ہاتھوں کی کمائی ہے۔''

حدیث پاک میں ہے کہ قربِ قیامت میں ایک ایسا وقت آئے گا کہ دنیا میں کوئی

بھی اللہ کا نافرمان نہیں رہے گا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے اس وقت اللہ کی طرف سے اتنی برکتیں ہوں گی، ایک گائے کا دودھ پورے کے پورے خاندان والوں کے لیے کافی ہو جایا کرے گا۔ برکتیں ہی برکتیں، آج جو ہمارے وقت میں برکت نہیں، عمر میں برکت نہیں، صحت میں برکت نہیں، قوتِ حافظہ میں برکت نہیں، مال میں برکت نہیں، اس کی بنیادی وجہ گناہ ہوتے ہیں۔

گناہ کا ارتکاب اللہ رب العزت کی طرف سے برکتوں کی آمدوں کو بند کروا دیا کرتا ہے۔ آپ کے سیل فون کے اندر سگنل آرہے ہوتے ہیں آف کا بٹن دبائیں تو کیا ہوتا ہے؟ سگنل بند ہو جاتے ہیں۔ یہ گناہ آف کا بٹن ہے، جب ہم نے آف کا بٹن دبایا اوپر سے برسنے والی رحمتوں اور برکتوں کو ہم نے روک دیا۔

چنانچہ وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض پہلی کتابوں میں یہ دیکھا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يَا عَبْدِيْ اَطِعْنِيْ فِيْمَا اَمَرْتُكَ

"اے میرے بندے! جو میں نے تجھے حکم دیا، اس میں میری اطاعت کر میری بات کو مان۔"

وَلَا تُعَلِّمْنِيْ بِمَا يُصْلِحُكَ

مجھے یہ مت بتا کہ تیرے لیے کیا اچھا ہے۔

اِنِّيْ عَالِمٌ بِخَلْقِيْ

میں اپنی مخلوق کو جانتا ہوں۔

اَنَا اُكْرِمُ مَنْ اَكْرَمَنِيْ

جو میرے حکم کا اکرام کرے گا، میں اس کا اکرام کروں گا۔

وَ اُهِيْنُ مَنْ هَانَ عَلَيْهِ اَمْرِیْ

جو میرے حکم کی اہانت کرے گا، میں اس بندے کی اہانت کروں گا۔

((وَ لَسْتُ بِنَاظِرٍ فِیْ حَقِّ عَبْدِیْ حَتّٰی يَنْظُرُ عَبْدِیْ فِیْ حَقِّیْ))

جب تک بندہ میرے حق کو پورا نہیں کرے گا، میں اس کے حق کے بارے میں کوئی خیال نہیں کروں گا۔

یہ میرے احکام کو پورا کرے گا میں بندے کی مرضی کو پورا کروں گا یہ میرے احکام کو توڑے گا میں اس کی خواہشات کو توڑ کر رکھ دوں گا۔

گناہ کی دو مصیبتیں:

گناہوں کے اندر دو بڑی مصیبتیں ہیں:

۱۔ زَوَالُ النِّعْمَه ایک تو گناہوں کے کرنے کی وجہ سے نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں۔

۲۔ وَ حُلُوْلُ النِّقْمَةِ اور بندے کو اللہ کی ناراضگی ملتی ہے۔

اس لیے کہا:

اِذَا كُنْتَ فِیْ نِعْمَةٍ فَارْعِهَا فَاِنَّ الْمَعَاصِیَ تُزِيْلُ النِّعَمَ

جب تو نعمت میں ہو تو اس نعمت کی نگرانی کر کہ گناہ نعمتوں سے محروم کر دیا کرتے ہیں۔

كُلُّ مَعْصِيَةٍ تُحْدِثُ فِی الْقَلْبِ ظُلْمَةً

ہر گناہ دل کے اندر ظلمت کو بڑھاتا ہے۔

فَاِذَا كَثُرَتِ الْمَعَاصِیْ طُمِسَتِ الْبَصِيْرَةُ

جتنے گناہ زیادہ ہوتے ہیں، انسان کی بصیرت چھین لی جاتی ہے۔

معصیت میں سراسر ذلت ہے:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَبَى اللّٰهُ اَنْ يُّذِلَّ اِلَّا مَنْ عَصَاهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ

''اللہ رب العزت نے انکار کیا کہ جو دنیا میں میری نافرمانی کرے گا میں کبھی اس کو عزت نہیں دوں گا''

اس کو ذلیل کر کے دکھاؤں گا۔ آپ اگر انفرادی حالت میں دیکھیں، تو نمرود کو دیکھ لیجیے کہ وقت کا بادشاہ ہے، ناک کے اندر مچھر گیا اور سر کے اوپر جوتے پڑا کرتے تھے۔ ہر دور کے نمرود اور فرعونوں کے اوپر جوتے برسائے گئے۔

قارون کو دیکھو! تو اس نے اللہ کے حکموں کی نافرمانی کی اللہ نے اسے زمین کے اندر دھنسا دیا۔

فرعون کو دیکھو اللہ نے پانی میں ڈبو دیا۔

﴿وَعَادًا وَّ ثَمُوْدَ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا﴾ (فرقان: ۳۸۔۳۹)

''اور عاد اور ثمود اور کنویں والے اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو ہم نے ہلاک کیا۔ اور سب کو سمجھانے کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں (نہ ماننے پر) سب کو تہس نہس کر دیا۔

کدھر گئی وہ قومیں؟ چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْعِزَّةَ وَ الْوَقَارَ لِمَنْ تَابَعَ اَمْرِيْ))

''جو میرے حکم کی اطاعت کرے گا اللہ اس کو عزت اور وقار دے گا''

((وَ جَعَلَ الذِّلَّةَ وَ الصِّغَارَ عَلٰى مَنْ خَالَفَ اَمْرِيْ))

''اور جو میرے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اللہ اسے دنیا کے اندر ذلیل اور رسوا کرے گا''

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔

مَا اَذْنَبَ عَبْدٌ فِي اللَّيْلِ اِلَّا اَصْبَحَ وَ مُذِلَّتُهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ

''بندہ رات میں گناہ کرتا ہے، اس حال میں صبح کرتا ہے کہ گناہ کی سیاہی اللہ اس کے چہرے کے اوپر ڈال دیتے ہیں''

ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

لَوْ لَمْ يَكُنْ فِي الْمَعْصِيَةِ اِلَّا النَّكَارَةَ فِي الْوَجْهِ وَ الظُّلْمَةَ فِي الْقَلْبِ لَكَانَ فِيْ ذٰلِكَ كِفَايَةً

''اگر اس میں کوئی اور نقصان نہ بھی ہوتا، سوائے چہرے کے اوپر ظلمت چھا جانے کے اور دل میں ظلمت آنے کے اتنا ہی کافی ہے''

اتنا ہی گناہ کا عذاب کافی تھا کہ گناہ کی وجہ سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور انسان کے چہرے پہ ظلمت آ جاتی ہے۔

چنانچہ آپ ذرا دیکھیں یہ جو پاپ سٹار ہوتے ہیں ذرا ان کے چہروں کو دیکھیں کہ کیسے نحوست برس رہی ہوتی ہے، اور ایک طرف اللہ والوں کے چہروں کی طرف دیکھیں کیسے شگفتگی اور بہار ہوتی ہے ان کے چہروں پر۔

گناہ کے تین اثرات:

چنانچہ جب انسان گناہ کرتا ہے، تو اس کے اثرات تین طرح سے ظاہر ہوتے ہیں:

قِلَّةُ الرِّزْقِ وَ تَعْسِيْرُ الرِّزْقِ وَ الْاِحْتِقَارُ فِي الْعُيُوْنِ

''رزق کی کمی، رزق کی تنگی اور لوگوں کی نظر میں حقارت''

اب دو الگ الگ چیزیں ہیں:

(۱) قِلَّةُ الرِّزْقِ

اس کا مطلب ہے کہ رزق ہے ہی تھوڑا۔ ایک وقت تھا مٹی کو ہاتھ لگاتا تھا سونا بن جاتی تھی، آج سونے کو ہاتھ لگاتا ہے مٹی بن جاتا ہے۔ خود کہتا ہے کہ حضرت! ایک وقت تھا کہ لوگوں سے لاکھوں لینے ہوتے تھے اور آج وقت ہے کہ لوگوں کو لاکھوں دینے ہیں۔ یہ ہے قلت رزق یہ گناہوں کا ایک اثر ہے۔

(۲) تَعْسِيرُ الرِّزْقِ

یہ ہوتا ہے کہ رزق تو زیادہ ہے لیکن سب کچھ ہونے کے باوجود پورا نہ پڑ رہا ہو، کارخانہ بھی ہے، انوسٹمنٹ بھی ہے مگر ایک کنٹینر ادھر پھنس گیا، ایک کنٹینر ادھر پھنس گیا اور دو کنٹینرز واپس (Reject) ہو گئے۔ سب کچھ ہونے کے باوجود قرضوں میں ڈوبا ہوا ہے، پریشان ہے، اس کو کہتے ہیں، رزق کو تنگ کر دینا۔

(۳) وَالْاِحْتِقَارُ فِي الْعُيُوْنِ

اور تیسرا عذاب یہ دیتے ہیں کہ لوگوں کی آنکھوں میں اس کو حقیر بنا دیتے ہیں، کوئی ویلیو ہی نہیں، حتیٰ کہ اپنے بچوں کی نظر میں کوئی ویلیو نہیں ہوتی۔ آپ دیکھیں ایسے لوگوں کو جو سودی کاروبار کرتے ہیں، اپنے بچوں اور اپنی بیویوں کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ سے جنگ کرتے ہیں، یہ سود تو اللہ سے جنگ ہے، تو اللہ اس جنگ کا مزہ یوں چکھاتے ہیں کہ جو ماتحت ہوتے ہیں، اللہ! ان ماتحتوں کو مسلط کر دیتے ہیں۔ کہیں بیوی کا حکم چل رہا ہے، کہیں بچے اس پر مسلط ہوتے ہیں، چنانچہ فرمایا:

مَنْ اِرْتَکَبَ مَعْصِیَۃً سَلَّطَ اللّٰہُ عَلَیْہِ ظَالِمًا

جو شخص معصیت کرتا ہے، اللہ اس کے اوپر ظالم کو مسلط کر دیتے ہیں۔

کوئی پڑوسی، کوئی حاسد، کوئی دشمن، کوئی دفتر کے اندر۔ کوئی نہ کوئی اللہ ایسا کر دیتے ہیں کہ بندے کی ناک میں دم ہو جاتا ہے۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا اسْتَخَفَّ قَوْمٌ بِحَقِّ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ اِلَّا بَعَثَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مَنْ یَسْتَخِفُّ بِھِمْ وَ بِحَقِّھِمْ

جب کوئی قوم اللہ کے حق میں کمی کوتاہی کرتی ہے۔ اللہ ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیتا ہے جو اس کے حق کے اندر کمی کرتے ہیں، اس بندے کو ذلیل کرتے ہیں۔

حقوق العباد کی اہمیت:

تو ایک تو ہیں وہ گناہ جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک ہیں وہ گناہ جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں، وہ گناہ اور بھی زیادہ برے ہیں۔

چنانچہ فرمایا:

لَا یَکُوْنُ شَیْءٌ اَشَدُّ عَلٰی اَھْلِ الْقِیَامَۃِ

''قیامت کے دن اس سے زیادہ سخت چیز نہیں ہو سکتی۔''

مِنْ اَنْ یَّرٰی مَنْ یَّعْرِفُہٗ مَخَافَۃَ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ عَلَیْہِ تَبِعَۃٌ حق

''بندہ قیامت کے دن کسی ایسے بندے کو دیکھے جو اسے پہچانتا ہو اور اس نے اس سے حق بھی لینا ہو۔''

جس نے قیامت کے دن حق لینا ہوگا کوئی معاف نہیں کرے گا، گریبان پکڑ کے

رہے گا، مجھے میرا حق چاہیے۔

اللہ کے راستے کی پہچان:

اس لیے کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا:

كَيْفَ الطَّرِيْقُ اِلَيْهِ

''اللہ کی طرف راستہ کیسے جاتا ہے؟''

فَقَالَ لَوْ عَرَفْتَهٗ لَعَرَفْتَ الطَّرِيْقَ اِلَيْهِ

''فرمایا: اگر تو اللہ کو پہچانتا تو اللہ کی طرف جانے والے راستے کو بھی پہچان لیتا۔''

فَقَالَ لَا اَعْبُدُ مَنْ لَا اَعْرِفُهٗ

اس بندے نے آگے سے کہا:

''میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کو میں پہچانتا نہیں ہوں۔''

فَقَالَ مَسْئُوْلٌ اَتَعْصِيْ مَنْ تَعْرِفُهٗ

تو جس سے سوال پوچھا گیا اس نے جواب دیا:

''تو اس کی نافرمانی کرتا ہے جس کی عظمت کی معرفت تو جانتا ہے''

فَبُهِتَ السَّائِلُ

سوال پوچھنے والا بالکل لاجواب ہو گیا کہ میں اگر اللہ کی عظمت کو جانتا، میں کبھی اس کی نافرمانی نہ کرتا۔

توبہ کی ضرورت:

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِذَا ثَقُلَ الذِّكْرُ عَلٰى لِسَانِكَ

"جب تیری زبان کے اوپر ذکر بوجھل ہو جائے۔"

نہ سو مرتبہ درود شریف پڑھ سکتے ہیں، نہ استغفار پڑھ سکتے ہیں، نہ لا الہ الا اللہ پڑھ سکتے ہیں، جب زبان پر ذکر کا کرنا بوجھل ہو جائے۔

وَ كَثُرَ اللَّغْوُ مِنْ مَقَالِكَ

"اور تیری بات چیت میں لغو باتیں زیادہ ہو جائیں" ہنسی، مذاق، لطیفے، چٹکلے

وَ انْبَسَطَتِ الْجَوَارِحُ فِيْ شَهَوَاتِكَ

اور پھر تیرے اعضا اور جوارح شہوت کی لذتوں کے نشے میں بھرے ہوئے ہوں۔

وَ انْسَدَّ بَابُ الْفِكْرَةِ فِيْ مَصَالِحِكَ

اور تیرے لیے کیا اچھا ہے کہ اس کی سمجھ کا دروازہ تیرے اوپر بند کر دیا گیا ہو۔

لَيْسَ لَكَ الطَّرِيْقُ إِلَّا التَّوْبَةَ

تو تیرے لیے توبہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

متقی بندے کا اجر زیادہ:

چنانچہ ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الْبِرِّ مَعَ التَّقْوٰى

تقویٰ کے ساتھ تھوڑی سی نیکی کرنا

((أَفْضَلُ وَ أَعْظَمُ وَ أَرْجَحُ مِنْ أَمْثَالِ الْجِبَالِ مِنْ عِبَادَةِ الْمُغْتَرِّيْنَ))

"افضل ہے، بڑا ہے، اور بہتر ہے مغترین کے پہاڑوں برابر اعمال سے"

جو دھوکے میں پڑے ہوتے ہیں کہ نماز بھی پڑھ لی اور آنکھیں بھی ٹھنڈی کر لیں، نماز بھی پڑھ لی، جھوٹ بھی بول لیا، ادھر بھی افیئر چلا لیا ادھر بھی، تو اس قسم کی ملی جلی زندگی والے پہاڑوں کے برابر اگر نیک اعمال کریں گے ان کو وہ اجر نہیں ملے گا جو تقویٰ کے ذریعے تھوڑے سے عمل کرنے والے متقی بندے کو اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْ خَلَوَاتِكَ

تو اپنی تنہائیوں میں اللہ سے ڈر

وَحَافِظْ عَلٰى اَوْقَاتِ صَلٰوتِكَ

نمازوں کی حفاظت کر

وَغُضَّ طَرْفَكَ مِنْ لَحْظَاتِكَ

اور اپنی نگاہوں کی حفاظت کر

تَكُنْ عِنْدَ اللّٰهِ مَقْبُوْلًا فِيْ حَالَاتِكَ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان حالات میں تو مقرب ہو جائے گا۔

متقی کی معرفت زیادہ:

بعض عارفین نے کہا:

إِذَا اجْتَمَعَ النُّفُوْسُ عَلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ

''اگر لوگ گناہوں کے ترک کرنے کے اوپر جمع ہو جائیں''

جَالَتْ فِي الْمَلَكُوْتِ وَعَادَتْ بِطَرَائِفِ الْحِكْمَةِ

''تو ان کو فرشتوں کے مقام کی طرف بلندی عطا کی جاتی ہے اور وہ وہاں سے علمی معرفتوں اور نکات کو لے کر واپس لوٹتے ہیں۔''

تو جتنا تقوای زیادہ ہوگا اتنا علم کے معارف کھلیں گے۔ یہی کتابیں، یہی احادیث، یہی صحاح ستہ وہ پڑھتے ہیں مگر ان کے اندر سے انکو معارف کے موتی ہیرے ملتے جاتے ہیں اور عام طالب علم یہی کتاب پڑھتا ہے لیکن کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی انوکھی کتابیں تو نہیں پڑھی تھیں، علامہ انور شاہ کشمیری نے یہی درس نظامی پڑھا تھا، یہی صحاح ستہ پڑھی تھیں تو کتابوں میں تو کوئی فرق نہیں ہے، تقوای میں فرق ہے۔ ہمارے اندر تقوای نہیں ہے، ہمیں وہ ہیرے موتی نظر نہیں آتے۔ جیسے کمزور آنکھ والے کو نظر نہیں آتا اور جس کی آنکھ سکس بائی سکس ہوتی ہے وہ خوبصورت چیزوں کو دیکھتا ہے تو اس کو خوبصورتی کی صحیح لذت نصیب ہو رہی ہوتی ہے۔

متقی پر اللہ کی رحمت:

حضرت ابوتراب بخشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اِذَا اَجْمَعَ الرَّجُلُ عَلٰی تَرْکِ الذُّنُوْبِ

اگر بندہ گناہوں کے ترک کرنے کے اوپر پکا عہد کر لے۔

اَتَتْهُ الْاَوْرَادُ مِنَ اللّٰهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اوپر رحمتوں کی بارشیں ہونی شروع ہو جائیں۔

بعض عارفین نے کہا:

اِذَا تَرَكَ الْعَبْدُ لِلّٰهِ مَعْصِيَةً عَوَّضَهُ اللّٰهُ مِنْهَا طَاعَةً

"اگر بندہ اللہ کے لیے گناہوں کو چھوڑ دے، اس گناہ کے چھوڑنے کی وجہ سے اللہ نیک عمل کی توفیق دیتے ہیں۔"

پھر جب وہ نیک عمل کرتا ہے

ثُمَّ یُثِیْبُهٗ عَلٰی تِلْكَ الطَّاعَةِ طَاعَةً اُخْرٰی

''پھر ایک نیکی کرنے پر دوسری نیکی کی توفیق ملتی ہے۔''

اور اس کو کہتے ہیں:

﴿وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ﴾

''یہ اللہ کا فضل ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں اللہ عطا فرما دیتے ہیں۔''

تقویٰ باعثِ غنا ہے:

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ اَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنْ ذُلِّ الْمَعْصِیَةِ

''جس بندے کو اللہ نے گناہوں کی ذلت میں سے نکال دیا''

○ اَغْنَاهُ اللّٰهُ بِلَا مَالٍ

''اللہ مال کے بغیر ہی اس کو غنی فرما دیتے ہیں۔''

تھوڑا مال ہوتا ہے محتاجی نہیں ہوتی۔ چنانچہ آپ دیکھیں: کتنے لوگ ہیں، مہینے کی چھ ہزار سات ہزار تنخواہ ہے، کسی کا قرضہ نہیں دینا ہوتا، کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے، کبھی ان کو ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی، یہ برکت ہوتی ہے مال کی۔

چنانچہ ایک اللہ والے تھے، ان کو ہمارے ایک دوست نے کچھ ہدیہ پیش کیا تو وہ فرمانے لگے کہ میں کتابوں کا کام کرتا ہوں (دینی کتابوں کی ایک دکان تھی) اور اس سے اللہ تعالیٰ مجھے اتنے سو روپے دے دیتے ہیں اور میرے پیسے تو ختم ہی نہیں ہوتے۔ تو یہ برکت ہوتی ہے کہ بندہ سوچتا ہے کہ میرے پیسے تو ختم ہی نہیں ہوتے۔

اور یہاں حال کیا ہوتا ہے؟ جتنے گھر کے بندے اتنے نوکریاں کرتے ہیں، مرد

بھی عورتیں بھی اور گھر کے خرچے پورے نہیں ہوتے۔ تو یہ گناہوں کی ظلمت کی وجہ سے برکت نکال لی جاتی ہے اور نیکی کی وجہ سے اللہ رزق کے اندر برکت ڈال دیتے ہیں۔ کتنے گھر ایسے ہیں دس دس بندے کھانے والے ہوتے ہیں، ایک کمانے والا ہوتا ہے، اللہ ایک کے ذریعے دس بندوں کو عزت کی روزی عطا فرما رہے ہوتے ہیں۔

بعض گھروں میں چلے جاؤ آپ کو پوری ڈسپنسری نظر آئے گی، دوائیاں ہی دوائیاں، روز کوئی نہ کوئی حکیم ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوتا ہے۔ یا خاوند، یا بیوی بیٹے، یا بچے، کوئی نہ کوئی جا ہی رہا ہوتا ہے اور ایسے بھی ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ زندگی بھر ڈاکٹر کے پاس جانے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایک پچاسی سال کے بندے کو دیکھا کہ بھنوؤں کے بال بھی سفید ہو چکے تھے، مجھے کہنے لگا کہ میں نے اپنی زندگی میں گولی کو کبھی اپنے منہ کے اندر نہیں ڈالا، پوری زندگی گولی نہیں کھائی۔ اللہ تعالیٰ ایسی صحت عطا فرما دیتے ہیں۔

○ وَاَعَزَّهٗ بِلَا عَشِيْرٍ

”اور بغیر رشتے داروں کے اس کو عزت دے دیتے ہیں۔“

○ وَاٰنَسَهٗ بِلَا بَشَرٍ

اور بشر کے بغیر اللہ اس کے دل کو انس عطا فرما دیتے ہیں۔

پاس کوئی بھی نہ ہو، ملنے بلانے والا کوئی نہ ہو پھر بھی پرسکون ہوتے ہیں۔

تقویٰ سے دل کو شفا:

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑی خوبصورت بات فرماتے ہیں:

اَلَا لَذِيْذُ الْخُرُوْجِ مِنَ الذُّنُوْبِ تَكُوْنُ الْاِفَاقَةُ لِلْقُلُوْبِ

"جتنا گناہوں سے انسان نکلے گا اتنا دل کے مرض کو افاقہ ہوتا جائے گا۔"

اللہ سے ڈرنے والے سے ہر چیز ڈرتی ہے:

اللہ رب العزت نے داؤد کی طرف وحی فرمائی

يَا دَاوُدُ اِنْقَطِعْ لِيْ اَنْكُسُ لَكَ رُؤُوْسَ الْمُلُوْكِ وَ اَلْبِسَ وَجْهَكَ الْمَهَابَه

اے داؤد! میرے لیے ساری مخلوق سے منقطع ہو جائیں تیرے سامنے بادشاہوں کی گردنوں کو جھکا دوں گا اور میں تمہارے چہرے پر ایسا نور اور رعب عطا کر دوں گا جس کو دیکھ کر لوگ تم سے محبت کرنے والے بن جائیں گے۔

چنانچہ اللہ والوں کے حالات آپ دیکھتے ہیں کہ وہ لکھتے ہیں کہ ہم اپنے مشائخ سے بات کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ اپنے شیخ سے لیکن ڈرتے ایسے تھے جیسے کوئی غلام بادشاہ سے ڈر رہا ہوتا ہے۔ وہ کوئی تھانے دار تو نہیں تھے، ہاں ان کے دل میں اللہ کا خوف تھا، اللہ نے ان کا خوف لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیا تھا۔

چنانچہ نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ﷺ جہاں سفر کرتے تھے۔ خوفہٗ مسیرۃ شہر آپ کا ڈر اور رعب آپ سے ایک مہینہ کا سفر آگے چلا کرتا تھا۔

حدیث مبارک سنیے:

((مَنْ خَافَ اللّٰهَ اَخَافَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْهُ كُلَّ شَيْءٍ))

"جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بندے سے ہر چیز کو ڈرا رہے ہوتے ہیں۔"

((وَ مَنْ لَّمْ يَخِفِ اللّٰهَ اَخَافَهُ اللّٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ))

"اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا، اللہ اس کو ہر چیز سے ڈراتے ہیں۔"

اللہ سے نہیں ڈرتے لیکن اندھیرے سے ڈر لگتا ہے، تنہائی سے ڈر لگتا ہے، بیوی سے ڈرتے ہیں، دفتر میں کچھ نہ ہو جائے، نوکری نہ چلی جائے، کاروبار خراب نہ ہو جائے، کتنے ہی خوف اور دھڑکے لگے ہوتے ہیں ان کے دل میں۔ کیوں؟ اللہ سے جو نہیں ڈرتے۔

اب دیکھو یہ کفار جو کہتے ہیں ہم اتنے پاور والے ہیں یہ جراثیموں سے ڈرتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ ان کے ماحول معاشرے میں ہاتھ کسی سے ملاتے ہوئے گھبراتے ہیں، گلو چڑھاتے ہیں کہ میرا ہاتھ کسی کو لگ گیا تو مجھے بیماری نہ لگ جائے۔ سلام تک نہیں کرتے ایک دوسرے کو ڈر کے مارے۔ اللہ سے نہیں ڈرتے اللہ نے جراثیم کا ڈر دل میں ڈال دیا۔

ایک دفعہ مجھے رات کے تین بجے ایک صاحب نے فون کیا، ان کو اللہ نے اتنا مال دیا تھا کہ اپنی زبان سے وہ کہتے تھے کہ اگر میں اپنے مال کا حساب کرنے کے لیے اپنے اکاؤنٹ برانچ کے لوگوں کو کہہ دوں تو تین مہینے ان کو حساب کتاب مکمل کرنے میں لگیں گے، ان کا اتنا پھیلا ہوا کام تھا۔ رات تین بجے فون کیا، میں نے کہا کہ خیریت ہے، آج تہجد پڑھی ہے؟ کہنے لگے کہ نہیں پریشان ہوں، میں نے پوچھا کہ آپ کو کیا پریشانی ہے؟ کہنے لگا جو چاہتا ہوں کھاتا ہوں جو چاہتا ہوں پیتا ہوں جہاں چاہتا ہوں جس کے ساتھ چاہتا ہوں سو جاتا ہوں لیکن نیند نہیں آتی دل پر ایک عجیب سا خوف ہے، میں اس گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کو فون کر رہا ہوں، آپ میرے حق میں دعا کر دیجیے۔ ایک اربوں پتی بندہ کہتا ہے، بھئی سب کچھ موجود ہے اور دل پھر بھی خوفزدہ ہے۔ اللہ کا خوف دل سے نکلا، اللہ انجانا خوف اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اسکا خوف لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔

آنکھ کی حفاظت کا عجیب نسخہ:

ایک نوجوان نے کسی اللہ والے سے سوال پوچھا:

سُئِلَ السَّائِلُ كَيْفَ اَحْفِظُ الْبَصَرَ

میں نگاہوں کی حفاظت کیسے کروں؟ عریانی عام ہوگئی، جگہ جگہ نیلے پیلے کپڑے نظر آتے ہیں، تو میں اپنی آنکھوں کی حفاظت کیسے کروں؟

انہوں نے عجیب جواب دیا، فرمایا:

اِسْتَعِنْ عَلَيْهِ بِعِلْمِهٖ اَنَّ رُؤْيَةَ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ سَابِقَةٌ اِلٰى نَظْرِهٖ اِلٰى مَا يَنْظُرُ اِلَيْهِ

''اس بات سے مدد پکڑ کہ اس سے پہلے کہ تیری نظر اس کے اوپر پڑے گی اللہ کی نظر تجھ پر پڑ رہی ہوگی''

اللہ تجھے پہلے دیکھ رہا ہے کہ تو کر کیا رہا ہے؟ اگر بندہ یہ سوچے کہ میں جب نظر اٹھا کے دیکھوں گا اور اللہ مجھے دیکھ رہے ہوں گے تو کتنی حیا آئے گی؟ اگر اسی لڑکی کے ساتھ اس کا بھائی ہو یا شوہر ہو اور پتہ ہو کہ وہ میری طرف دیکھ رہا ہے تو ایسی صورت میں کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھے گا کہ اس کا باپ دیکھ رہا ہے، اس کا بھائی دیکھ رہا ہے، اگر باپ اور بھائی کے دیکھنے پر ان کے ردعمل کا اتنا ڈر ہے تو پروردگار عالم بھی تو ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ تو فرمایا کہ جب تم یہ دل میں سوچو گے تو تمہارے لیے آنکھوں کی حفاظت آسان ہو جائے گی۔

موت سے ڈرنے کی وجہ:

چنانچہ رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کے پاس ایک نوجوان آیا۔

کہنے لگا:

أَتُحِبِّيْنَ الْمَوْتَ؟

کیا آپ موت سے محبت کرتی ہیں؟ پسند کرتی ہیں کہ موت آجائے؟

فَقَالَتْ لَوْ عَصَيْتُ آدَمِيًّا لَخَجِلْتُ مِنْ لِقَائِهٖ

انہوں نے اسے آگے جواب دیا: اگر میں کسی بندے کی نافرمانی کرتی۔ اس بندے سے ملاقات کرتے ہوئے میں شرمندہ ہوتی۔

فَكَيْفَ قَدْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ

تو پھر میں نے اللہ کی نافرمانی کی، اب اس سے ملاقات کے لیے میں کیسے تیار ہوسکتی ہوں؟

مجھے اللہ سے حیا آتی ہے۔

اللہ کے مکر سے بے خوف ہونا بھی اللہ کا مکر ہے:

تو گناہوں کی ایک نحوست یہ ہوتی ہے کہ انسان اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ تدبیر کے کیا معنی؟ انسان کو اپنے انجام کی کوئی فکر نہیں رہتی۔

ایک صاحب سے میں نے پوچھا کہ جی کیا حال ہے؟ او جی جو گزر جائے واہ واہ ہے۔ اب یہ بندہ نماز نہیں پڑھتا تھا، سنت کا پتہ نہیں تھا، حرام حلال کی تمیز نہیں تھی، اب وہ بندہ جواب میں کہتا ہے جو گزر جائے واہ واہ ہے، تو کیا مطلب؟ مکر میں پھنسا ہوا ہے۔

چنانچہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ کی تدبیر کا کیا معنی ہے؟

قَالَ مَكْرُهٗ بِهِمْ تَرْكُهٗ اِيَّاهُمْ عَلٰى مَا هُمْ عَلَيْهِ

تدبیر اللہ کی یہ ہے کہ انسان جو کر رہا ہوتا ہے، اللہ اس کی رسی کو کھلا چھوڑ دیتے

ہیں۔

گناہوں کے کام آسان، بدمعاشیاں آسان، فحاشیاں آسان، انسان سمجھتا ہے کہ میں مزے میں ہوں، نہیں سمجھ رہا ہوتا کہ اللہ اس کی رسی کو دراز فرما رہے ہیں۔

قَالَ لَا يَأْمَنُ مِنْ مَكْرِهٖ اِلَّا مَنْ هُوَ غَرِيْقٌ فِي الْمَكْرِ

فرمانے لگے کہ اللہ کی تدبیر سے وہی بے خوف ہوتا ہے جو پوری طرح اللہ کے مکر کے اندر ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔

فَلَا يَرَى الْمَكْرَ مَكْرًا

وہ اللہ کی تدبیر کو تدبیر ہی نہیں سمجھتا۔

اللہ کے خزانوں سے استفادے کا طریقہ:

چنانچہ جتنا بھی ہو سکے ہم نیک اعمال کے ذریعے سے اپنے رب کو راضی کریں۔ اس کو فرمایا:

بِقَدْرِ الْاِتِّبَاعِ يَكُوْنُ الْاِنْتِفَاعُ

جتنا نبی ﷺ کی اتباع کریں گے، اتنا ہی اللہ کے خزانوں سے فائدہ پانے والے بن جائیں گے۔

پانی سے فائدہ اٹھانے کے طریقے اور، آگ سے فائدہ اٹھانے کے طریقے اور، ہوا سے فائدہ اٹھانے کے طریقے اور ہیں۔ اگر دل میں خیال پیدا ہو کہ اللہ رب العزت کے خزانوں سے نفع اور فائدہ اٹھائیں تو اس بات کو سمجھانے کے لیے اللہ کے حبیب ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور نبی ﷺ نے سمجھایا کہ لوگو! جو زندگی میں تمہارے درمیان گزار رہا ہوں، اگر تم اس طرح زندگی گزارو گے، اللہ کے خزانوں سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے بن جاؤ گے۔

سب سے زیادہ وزنی اعمال:

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَثْقَلُ الْاَعْمَالِ فِی الْمِیْزَانِ اَثْقَلُهَا عَلَی الْاَبْدَانِ

''سب سے زیادہ وزنی اعمال میزان پر وہ ہوں گے جو بدن پر وزنی ہوں گے''

جن گناہوں کا چھوڑنا بڑا مشکل ہوتا ہے، ان کو چھوڑنا قیامت کے دن میزان میں بہت زیادہ بھاری ہوگا۔ جتنا چھوڑنا مشکل تھا، اتنا ان کی نیکی کا بوجھ نامۂ اعمال میں قیامت کے دن ہوگا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم نیکی کے لیے قدم بڑھائیں۔

وَ مَنْ وَفَّی الْعَمَلَ وُفِّیَ الْاَجْرُ وَ مَنْ لَّمْ یَعْمَلْ دَخَلَ الْاٰخِرَۃَ صِفْرَ الْیَدَیْنِ

جو عمل کرے گا اللہ اس کو اجر عطا فرمائیں گے اور جو عمل نہیں کرے گا، آخرت میں اس کو خالی ہاتھ جانا پڑے گا۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم نیک اعمال کرنے کی کوشش کریں اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچائیں اور اگر گناہ کا ارتکاب ہو تو اللہ کو رو رو کر منائیں، اس وقت تک ہم چین سے نہ بیٹھیں، جب تک ہمیں سچی توبہ کی توفیق نہیں مل جاتی۔

قبر کا مونس انسان کے نیک اعمال:

شیخ زروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ عَرَفَ وَحْشَۃً فِی الْقَبْرِ طَلَبَ مَا یُؤْنِسُهٗ فِیْهِ وَ لَیْسَ اِلَّا صَالِحُ عَمَلِهٖ

جو قبر کی وحشت جانتا ہے، وہ قبر میں کوئی نہ کوئی اپنے لیے مونس چاہے گا (مدد گار دل لگانے والا چاہے گا) اور نیک عملوں کے سوا قبر میں دل لگانے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔

وَ مَنْ عَرَفَ وُقُوْفَهٗ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ اِسْتَحْيٰ مِنْهُ اَنْ يَّرَاهُ حَيْثُ نَهَاهُ

''اور جو قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے کھڑے ہونے کو جانتا ہے تو وہ حیا کرے گا کہ اللہ اس کو ایسا کام کرتا ہوا دیکھے جس کام سے اللہ نے اس کو منع کر دیا ہو''

تو ہم گناہوں سے بچیں تا کہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے شرمندگی نہ ہو، نیک اعمال کریں تا کہ قبر میں ہمیں تسلی دینے والے ساتھی مل جائیں۔

آج وقت ہے:

آج نیکی اور بدی ہمارے سامنے ہے، ہمیں اختیار دیا ہے، ایک وقت آئے گا زبان سے ایک لفظ بولنا چاہیں گے ایک لفظ بولنے کی توفیق نہیں ملے گی، وقت پورا ہو چکا ہوگا، آج جتنی دفعہ چاہیں سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ، پڑھیں زبان چل رہی ہے۔ جب موت کا وقت آتا ہے اور یہ گھنگرو بجنے لگ جاتا ہے تو یہ زبان بھاری ہو جاتی ہے۔ حرکت نہیں کرتی، کنٹرول چلا جاتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے لوگوں نے ٹریکر لگوائے ہوتے ہیں، اپنی گاڑیوں میں، مزے سے گاڑی چلاتے پھر رہے ہوتے ہیں، اچانک ایک جگہ بیٹھ کر گاڑی بند، چابی دباتے ہیں گاڑی نہیں چلتی کیوں نہیں چلتی؟ او جی ٹریکر والوں نے گاڑی بند کر دی۔ تو یہ زندگی کا ٹریکر بھی پروردگار کے پاس ہے، ہم اس کے سٹیرنگ پر بیٹھے ہوئے کبھی نیکی کرتے ہیں، کبھی برائی کرتے ہیں، مگر مزے سے زندگی کی گاڑی چلاتے پھرتے ہیں، ایک وقت آئے

گا، اوپر سے ڈھکن بند کر دیا جائے گا۔

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

اللہ رب العزت ہمیں زندگی کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔ سچی توبہ کر کے سو فیصد نیکی والی زندگی اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (الحدید: ۲۰)

مذمتِ دنیا

بیان: محبوب العلماء والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 18 مارچ 2011ء ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: بیان جمعۃ المبارک

اقتباس

ترکِ دنیا کا لفظ جو کتابوں میں مشائخ نے لکھا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دنیا سے چل کر غار میں چلے جاؤ اور وہاں بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرو۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ جنگلوں اور غاروں سے ہو کر نہیں جاتا، ان گلی کوچوں اور بازاروں سے ہو کر جاتا ہے۔ ہم نے اسی دنیا میں رہنا ہے اور اسی دنیا کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے مگر غافل نہیں ہونا، جو چیز اللہ سے غافل کرے وہ ہماری دشمن ہے۔ اس کو کہتے ہیں ترکِ دنیا۔ ترکِ دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ ترکِ زینت دنیا ہے کہ دنیا کی زینت کو چھوڑ دینا، انسان جو کرے اللہ کے لیے کرے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

مذمتِ دنیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
﴿وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (الحدید:۲۰)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

دنیا امتحان گاہ ہے:

جس دنیا میں ہم زندگی گزار رہے ہیں یہ دار المحن (امتحان گاہ) ہے۔ امتحان یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اس میں کشش رکھ دی۔ لہٰذا لوگ آخرت کو بھول بیٹھتے ہیں، اپنے پروردگار کو بھول جاتے ہیں اور اس دنیا کی رنگینیوں کے اندر الجھ جاتے ہیں۔ یہ ہمارا امتحان ہے کہ دنیا میں بھی رہیں اور اس کی رنگینیوں پر فریفتہ ہونے کی بجائے اپنے پروردگار کی طرف متوجہ رہیں۔ فارسی میں ایک شعر ہے ؎

درمیان کار دریا تختہ بندم کردہ ای
باز ی گوئی کہ دامن تر نہ کن ہوشیار باش

''مجھے دریا کے درمیان میں ایک تختے کے ساتھ باندھ دیا اور پھر یہ بھی کہا کہ دیکھو دامن تر نہ ہونے پائے، ذرا ہوشیار رہنا''

تو ہمارا حال وہی کہ ہم دنیا کے اس دریا میں بند ھے ہوئے ہیں اور حکم یہ ہے کہ بھئی! تمہارا دامن تر نہ ہو۔

دنیا کی حقیقت:

اب دنیا کیا ہے؟ بہت سارے دوست یہ سوچتے ہیں کہ شاید بیوی بچے دنیا ہیں، کام کاروبار دنیا ہے، ایسی بات ہرگز نہیں ۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے کماش و نقرہ و فرزند و زن

''دنیا کیا ہے؟ یہ اللہ سے غافل ہو جانے کا نام ہے، کاروبار کرنا بیوی بچوں کا ہونا، اس کا نام دنیا نہیں ہے۔''

چنانچہ علامہ عبدالوہاب شیرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كُلُّ مَا اَغْفَلَ الْقُلُوْبَ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ فَهُوَ دُنْيَا

''جو چیز تمہارے دل کو اللہ کی یاد سے غافل کر دے، اس کا نام دنیا ہے۔''

وَ كُلُّ مَا اَوْقَفَ الْقُلُوْبَ عَنْ طَلَبِهٖ فَهُوَ دُنْيَا

''اور جو چیز تمہیں اللہ کی تلاش سے روک دے، اس کا نام دنیا ہے۔''

واقعی خوبصورت تعریف کر کے بتا دیا کہ دیکھو حقیقتِ دنیا کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

دو قسم کے فتنے:

انسان کے لیے اس دنیا میں دو طرح کے فتنے ہیں، ایک ہے مال کا فتنہ، ایک ہے جمال کا فتنہ۔ مال کا فتنہ عورت کے لیے، جمال کا فتنہ مرد کے لیے زیادہ۔ آپ اکثر دیکھیں، تو جوان جمال کے فتنے میں پھنسے ہوتے ہیں، اسی طرح عورتیں کپڑے

جو تی مال کے فتنے میں گھری ہوتی ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دو چیزوں میں (Sumrize) تلخیص کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ سارے گناہ دو طرح کے ہیں، باہ کی وجہ سے گناہ ہوتے ہیں یا جاہ کی وجہ سے۔ باہ کہتے ہیں قوتِ نفسانی کو جو شہوت سے متعلقہ ہیں اور جاہ کہتے ہیں عہدے اور مرتبے کو، دنیا کا عہدہ لینا اپنا آپ دکھانا۔ تو ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ سے غافل کرے اس کا نام دنیا ہے۔

دنیا کی حقیقت، قرآن مجید کی روشنی میں

آیئے ذرا قرآن مجید کی طرف نظر دوڑایئے کہ دنیا کے بارے میں کیا کہا گیا؟

◉ فرمایا:

﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ﴾ (فاطر:۵)

''تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے، نہ فریب دینے والا تمہیں فریب دے''

تو پتہ چلا کہ یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے۔

◉ ایک جگہ دنیا کی زندگی کے بارے میں فرمایا:

﴿اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ﴾ (حدید:۲۰)

''خوب جان لو کہ دنیاوی زندگی کی حقیقت کھیل تماشا اور ظاہری دکھاوا اور آپس میں فخر جتانا، اور مال واولاد کی ایک دوسرے پر زیادتی کی خواہش ہے''

◉ پھر فرمایا:

﴿إِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّإِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ﴾

"رہنے کی جگہ تو آخرت ہے یہ دنیا تو تھوڑی دیر رکنے کی جگہ ہے۔"

◉ آخرت کے مقابلے میں دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے، فرمایا:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا﴾ (النسا:۷۸)

"ان سے کہو کہ دنیا کا فائدہ تو بہت تھوڑا ہے اور پرہیزگار کے لیے تو آخرت بہتر ہے اور تم پر دھاگے کے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا"

◉ چنانچہ دنیادار انسان، جو دنیا میں الجھا ہوا ہے، اس کے پاس بیٹھنے سے بھی روکا۔ فرمایا:

﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ (النجم:۲۹)

"تو جو ہماری یاد سے روگردانی کرے اور دنیا ہی کی زندگی چاہے اس سے منہ پھیرلو"

دنیا کی حقیقت، احادیث کی روشنی میں

ہمارے محسنِ اعظم مرشدِ اعظم امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہمیں دنیا کی حقیقت کھول کھول کر بتا دی کہ اللہ کی نظر میں اس دنیا کی ویلیو کیا ہے؟ اور یہ تمہیں کس طرح اللہ سے دور کرتی ہے؟ چنانچہ حدیث مبارکہ سے ذرا معلومات لیجیے،

◉ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمَّا خَلَقَ الدُّنْيَا نَظَرَ إِلَيْهَا ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ثُمَّ قَالَ وَعِزَّتِيْ لَا أُنْزِلَنَّكَ إِلَّا فِيْ شِرَارِ خَلْقِيْ»

''اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا، اسکی طرف دیکھا تو نگاہیں ہٹا لیں، پھر قسم کھا کر فرمایا کہ میں تمہیں نہیں دوں گا مگر ان لوگوں کو جو میری مخلوق میں سب سے زیادہ شریر ہوں گے''

◉ ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَخْلُقْ خَلْقًا هُوَ أَبْغَضُ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا نَظَرَ إِلَيْهَا مُنْذُ خَلَقَهَا بُغْضًا لَهَا»

''اللہ تعالیٰ نے دنیا سے زیادہ مبغوض چیز کوئی پیدا نہیں کی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جب سے دنیا کو پیدا کیا اس کی طرف کبھی محبت کی نظر سے دیکھا ہی نہیں۔''

◉ حدیث پاک میں آیا:

«لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقَى الْكَافِرُ مِنْهَا جُرْعَةَ مَاءٍ»

''اگر دنیا کی حقیقت اللہ کے ہاں ایک مکھی کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ کافر کو پینے کے لیے پانی بھی عطا نہ فرماتے۔''

◉ ایک اور حدیث مبارکہ ہے:

«لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا مِنْ ذَهَبٍ وَّالْآخِرَةُ مِنْ خَزَفٍ لَاخْتَارَ الْعَاقِلُ مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى»

”اگر دنیا سونے کی بنی ہوتی اور آخرت ٹھیکری کی ہوتی، مٹی کی بنی ہوتی، عقل مند کو چاہیے تھا کہ فنا ہونے والی چیز کی بجائے باقی رہنے والی (آخرت) کو ترجیح دیتا۔

◎ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ دُنْيَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ))

”جس نے دنیا سے محبت کی، اس نے اپنی آخرت کا نقصان کر دیا۔“

((وَ مَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهٗ اَضَرَّ بِدُنْيَاهُ))

”اور جو آخرت سے محبت کرتا ہے اس کو دنیا کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔“

((اَلَا فَاٰثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى))

”تو تم باقی رہنے والی چیز کو فنا ہونے والی چیز پر ترجیح دو۔“

◎ اس لیے فرمایا:

((حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ وَّ اَسَاسُ كُلِّ بَلِيَّةٍ وَّ مَعْدِنُ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَّ رَزِيَّةٍ))

”دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ اور ہر بلا کی بنیاد ہے، اور تمام مصیبتوں کا مرکز ہے“

◎ ایک حدیث مبارکہ

((يَا عَجَبَ لِمَنْ يَّطْلُبُ الدُّنْيَا وَ الْمَوْتُ يَطْلُبُهٗ))

”کیا عجیب ہے وہ بندہ جو دنیا کی طلب میں لگا ہوا ہے اور موت اس بندے کی طلب میں لگی ہوئی ہے۔“

◉ حدیث مبارکہ ہے:

((اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَا دَاوٗدُ عَجَبًا لِّمَنْ يَّعْلَمُ اَنِّىْ اَسْأَلُهٗ عَنِ النَّقِيْرِ وَالْقِطْمِيْرِ وَ الْفَتِيْلِ كَيْفَ تَقَرُّ عَيْنُهٗ فِى الدُّنْيَا))

''اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ کتنی عجیب بات ہے کہ جب میں کھجور کے چھلکے کے بارے میں بھی قیامت کے دن سوال کروں گا، (اتنی چھوٹی سی چیز کے بارے میں)! یہ کیسے لوگ ہیں جن کی آنکھیں دنیا پا کے ٹھنڈی ہوتی ہیں''

◉ ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا:

((مَثَلُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ كَمَثَلِ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اِذَا اَقْبَلَتْ عَلٰى اَحَدِهِمَا اَدْبَرَتْ مِنَ الْاٰخَرِ))

''دنیا اور آخرت کی مثال مشرق اور مغرب کی سی ہے ایک کی طرف تو رخ کرے گا تو دوسرے کی طرف خود بخود پیٹھ ہو جائے گی''

◉ حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی:

((يَا مُوْسٰى! اِذَا رَاَيْتَ الدُّنْيَا مُقْبِلَةً عَلَيْكَ فَقُلْ ذَنْبٌ عُجِّلَتْ لِىْ عُقُوْبَتُهٗ))

''اے موسیٰ علیہ السلام! جب تو دیکھے کہ دنیا تیری طرف آ رہی ہے تو کہنا: یہ میرا کوئی گناہ ہے جس کی وجہ سے دنیا میری طرف آ رہی ہے''

یہ گناہ کا اجر ہے جو دنیا مجھے مل رہی ہے۔

دنیا کی حقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں

صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، دنیا کی حقیقت کو جس طرح انہوں نے سمجھا اور کسی نے نہیں سمجھا، چنانچہ دنیا کی حقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی نظر میں کیا تھی؟

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی:

﴿اِنْ فُتِحَتْ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا فَلَا تَأْخُذَنَّ اِلَّا بَلَاغًا﴾

''اگر دنیا کے دروازے بھی تمہارے اوپر کھل جائیں تو اس میں سے اتنا لینا کہ جو تمہارے فقط گزارے کے لیے کافی ہوں''

اس سے زیادہ پر فریفتہ نہ ہونا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

اِنْ اَرَدْتَ الدُّنْيَا اَضْرَرْتَ بِالْاٰخِرَةِ

''اگر تو دنیا کا ارادہ کرے گا آخرت کا نقصان کر بیٹھے گا''

((وَاِذَا اَرَدْتَ الْاٰخِرَةَ اَضْرَرْتَ بِالدُّنْيَا))

''اور اگر آخرت کا ارادہ کرے گا دنیا کا نقصان ہوگا''

ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپس میں مشورہ ہوا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنخواہ بہت تھوڑی ہے تو ان کو بیت المال سے زیادہ تنخواہ لینی چاہیے۔ مگر یہ کہے کون؟ سب گھبرا رہے تھے۔ مشورہ ہوا کہ آپ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ام المومنین

ہیں، وہ ان کی خدمت میں عرض کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس مشورے میں شامل تھے، انہوں نے ام المؤمنین کو بتا دیا، انہوں نے کسی موقع پر اپنے والد گرامی کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ بیت المال سے بہت تھوڑا مشاھرہ لیتے ہیں، تو تھوڑا سا زیادہ لے لیں تاکہ ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ انہوں نے پوچھا کہ حفصہ! یہ بتاؤ تمہیں یہ بات بھی کن لوگوں نے ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نام نہیں بتاؤں گی۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا تو بتا کہ تیرے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزران کیسا تھا؟ انہوں نے کہا کہ بس معمولی کپڑے ہوتے تھے، ایک گیرو رنگ کا کپڑا تھا تو جب قافلے آتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دن وہ کپڑے پہن لیا کرتے تھے اور کھجور کی چھال کا یا پتوں کا وہ تکیہ ہوتا تھا اور کھانے کو کبھی ملتا تھا، کبھی نہیں ملتا تھا۔ میں نے ایک دفعہ گھی کے ڈبے کی تل چھٹ روٹی پر لگا دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کو شوق سے کھا رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھلا رہے تھے، یہ زندگی تھی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حفصہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک راستہ متعین کر دیا جو اس راستہ پر چلے گا وہ منزل کو پائے گا جس کا راستہ بدل جائے گا اس کی منزل بھی بدل جائے گی۔ اگر تو مجھے ان لوگوں کے نام بتا دیتی جنہوں نے یہ مشورہ دیا کہ میں زیادہ لوں تو میں انہیں اتنی سزا دیتا کہ ان کے چہرے بدل کر رکھ دیتا۔

تو صحابہ رضی اللہ عنہم تو دنیا سے ڈرتے اور گھبراتے تھے کہ یہ کیا مصیبت ہماری طرف آ رہی ہے؟ اور ہمارا حال یہ ہے کہ تہجد میں نفلیں پڑھ کے دعائیں مانگتے ہیں یہ بھی مل جائے وہ بھی مل جائے۔ حالانکہ وہ چیزیں ضرورت سے زیادہ ہوتی ہیں تو ضروریات پورا کرنے کو شریعت نے جائز قرار دیا، خواہشات کو پورا کرنے کی جگہ دنیا نہیں ہے، خواہشات کو پورا کرنے کی جگہ آخرت ہے۔ اور اکثر لوگ خواہشات میں الجھ کر اللہ

سے دور ہوتے ہیں، اس لیے دنیا کا نام لیتے ہیں کہ دنیا انسان کو اللہ سے غافل کر دیتی ہے۔

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ:

عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

اَلدُّنْيَا جِيْفَةٌ فَمَنْ اَرَادَ مِنْهَا شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ عَلٰى مُخَالَطَةِ الْكِلَابِ

''دنیا مردار ہے جو اس میں سے کچھ چاہے گا تو وہ اپنے آپ کو کتوں سے ملالے گا''

جو دنیا کے اوپر انحصار کر کے بیٹھے گا، وہ اپنے آپ کو کتوں کی جماعت میں شامل کرے گا۔ چونکہ کتے ہی مردے کو کھاتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ:

علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

اِرْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً وَ الْاٰخِرَةُ مُقْبِلَةً وَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بَنُوْنَ فَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَةِ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْيَا

''دنیا پیٹھ پھیر کے جا رہی ہے اور آخرت سامنے آ رہی ہے اور ہر ایک کے بیٹے ہیں۔ تم آخرت کے بیٹے بنو، دنیا کے بیٹے نہ بنو۔''

یعنی تم آخرت کے طلب گار بن جاؤ۔

علی رضی اللہ عنہ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا:

اِنَّمَا مَثَلُ الدُّنْيَا كَمَثَلِ الْحَيَّةِ لَيِّنٌ مَسُّهَا قَاتِلٌ سَمُّهَا فَاَعْرِضْ عَنْهَا

"دنیا کی مثال سانپ کی مانند ہے، ہاتھ لگانے میں یہ بڑی نرم ہے اور اس کی زہر قتل کر دینے والی ہے، تو اس سے ذرا الگ ہی ہو جا۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:

سَأَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ثَعْلَبِيٌّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ الدُّنْيَا

ایک صحابی عبدالرحمٰن ثعلبی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دنیا کے بارے میں سوال کیا، فرمایا:

مَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِنَ الدُّنْيَا شَيْئًا إِلَّا انْتَقَصَتْ دَرَجَتُهُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ

"جس بندے کو بھی دنیا میں کوئی چیز ملتی ہے، اس کے بدلے اللہ کے ہاں اس کا ایک درجہ کم ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ جنتی ہو۔"

دنیا میں جو مل گیا کوتا تو ہو گیا ناپورا!

یعنی دنیا میں جتنا مل جائے گا آخرت میں اتنا کم ہو جائے گا۔

دنیا کی حقیقت اہل اللہ کی نظر میں

اب دنیا کی حقیقت اہل اللہ کی نظر میں کیا ہے؟ سنیے!

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ:

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام سے شیطان کی ملاقات ہوئی، آمنا سامنا ہو گیا، سلیمان علیہ السلام نے پوچھا:

مَا أَنْتَ صَانِعٌ بِأُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَنْتَ أَدْرَكْتَهُمْ

او بدبخت! تو نبی ﷺ کی امت کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا اگر تو ان کو پالے؟

فَقَالَ اُزَيِّنُ لَهُمُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَكُوْنَ الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ اَشْهٰى اِلٰى اَحَدِهِمْ مِنْ شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

''شیطان بدبخت نے آگے سے کہا کہ میں ان کے لیے دنیا کو مزین کر دوں گا، حتی کہ ان لوگوں کے نزدیک درہم اور دینار کی محبت کلمہ پڑھنے کی محبت سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔''

آج دیکھو کتنے لوگ ہیں جو ایمان گنوا بیٹھتے ہیں، کافروں کا ساتھ دیتے ہیں اور اپنے ایمان کا خیال نہیں کرتے، اس لیے ساتھ دیتے ہیں کہ ان کے عہدے بچ جائیں، ان کا مال بچ جائے اور ان کی دنیا سنور جائے۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

كُلَّمَا حُرِّمْتَ شَيْئًا مِنَ الدُّنْيَا ارْتَفَعَتْ دَرَجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ

''کہ جب بھی تمہیں دنیا کی کسی چیز سے محروم کیا جاتا ہے، اس کے بدلے جنت میں تمہارے درجے کو بلند کر دیا جاتا ہے۔''

وَكُلَّمَا اُعْطِيْتَ شَيْئًا مِنْهَا نَقَصَتْ دَرَجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ

''اور جب تجھے دنیا میں کوئی چیز ملتی ہے، اس کے بدلے جنت میں ایک درجے کو کم کر دیا جاتا ہے۔''

وَلَوْ كُنْتَ عِنْدَ اللّٰهِ كَرِيْمًا

''اگرچہ تو اللہ کے نزدیک کریم لوگوں میں سے ہو۔''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

لَا تُصَلُّوْا خَلْفَ مُحِبِّ الدُّنْیَا

"جس شخص کے دل میں دنیا کی محبت ہو، تم اس کے پیچھے نماز بھی نہ پڑھو!

کسی نے پوچھا: حضرت! کیوں؟

فرمایا: یہ اللہ کے ساتھ شرک خفی ہے اور مشرک کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مَنْ جَمَعَ مَالاً ابْتُلِیَ بِخَمْسِ خِصَالٍ

جو مال کو جمع کرتا ہے، اس پر پانچ مصیبتیں آتی ہیں:

طُوْلُ الْاَمَلِ، وَ شِدَّةُ الْحِرْصِ، وَالشُّحِ ،وَ نِسْيَانُ الْاٰخِرَةِ، وَ قِلَّةُ الْوَرْعِ

"اور امیدیں لمبی ہو جاتی ہیں، حرص اور بخل بڑھ جاتا ہے، آخرت بھول جاتی ہے اور تقوی کم ہو جاتا ہے"

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ:

مَنْ فَرِحَ بِالدُّنْیَا اِذَا اَقْبَلَتْ فَقَدْ ثَبَتَ حُمْقُهٗ

"جس کی طرف دنیا آئے اور وہ اس سے خوش ہو جائے تو اس کی بے وقوفی ثابت ہو گئی۔"

اس لیے کہ دنیا کی مثال ایک سانپ کی مانند ہے جو بندے کو ڈسنے کے لیے آئے اور ڈسے بغیر واپس چلا جائے، اور وہ بندہ اس پر بڑا افسردہ ہو کہ سانپ نے مجھے ڈسا کیوں نہیں؟

حضرت یحیٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ:

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اِیَّاکُمْ وَ الرُّکُوْنَ اِلَی الدُّنْیَا فَاِنَّھَا دَارُ مَمَرٍّ لَا دَارُ مَقَرٍّ

''دنیا سے بچو اس لیے کہ یہ گزرگاہ ہے، یہ قیام گاہ نہیں ہے''

جیسے کوئی بندہ پل پر گھر نہیں بناتا، اسی طرح کوئی بھی عقلمند انسان دنیا میں اپنا دل نہیں لگاتا۔

حضرت ابنِ عجلان رحمۃ اللہ علیہ:

ابن عجلان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَلدَّرَاھِمُ اَزِمَّۃُ الْمُنَافِقِیْنَ یُقَادُوْنَ بِھَا اِلَی الْمَھَالِكِ

''مال و دولت یہ منافقین کی لگام ہوتی ہے۔ وہ ان سے باندھ کر انہیں ہلاکت کی جگہوں پر لے جائے جاتے ہیں''

شیطان اس لگام میں باندھ کر ان کو ہانکتا پھرتا ہے۔

سید عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ:

سید عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

لَا تَصِحُّ الْوِجْھَۃُ اِلَی اللّٰہِ اِلَّا مَعَ الْاِقْلَالِ مِنَ الدُّنْیَا

''اللہ کی طرف تمہارا متوجہ ہونا، اس وقت تک مقبول نہیں جب تک تم دنیا کو اپنے لیے کم پسند نہ کرو''

حضرت ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ:

ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

نِعْمَةُ اللّٰهِ فِيْمَا زَوٰى عَنِّيْ مِنَ الدُّنْيَا اَعْظَمُ عَلَيَّ مِنْ نِعْمَتِهٖ فِيْمَا اَعْطَانِيْ مِنْهَا اِنِّيْ رَاَيْتُهٗ اَعْطَاهَا قَوْمًا فَهَلَكُوْا

''جس نعمت سے اللہ نے مجھے دنیا میں محروم کر دیا، وہ بڑی ہے اس نعمت سے جو اللہ نے دنیا میں مجھے عطا کر دی ہے۔ میں نے دیکھا کہ جس بندے کو دنیا کی نعمتیں ملیں، وہ قوم بالآخر ہلاک ہوگئی۔''

اس کی مصیبت سے کوئی نہیں بچ پاتا۔

حضرت علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ:

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک بندہ جنگل میں تھا جہاں سانپ بچھو اور شیر چیتے وغیرہ سب تھے اور اس کو جان کا خطرہ تھا۔ چنانچہ

فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ الْمَلِكُ فَقَالَ: اُتْرُكْ مَا اَنْتَ فِيْهِ وَ تَعَالَ اِلٰى حَضْرَتِيْ فِيْ نَعِيْمٍ وَّ اَمَانٍ وَّ حُوْرٍ حِسَانٍ وَّ فَوَاكِهَ وَ اِحْسَانٍ۔ فَاَبٰى وَ لَمْ يَحْضُرْ

اس کو اس کے مالک نے بلایا کہ میرے پاس آؤ کہ میں تمہیں محل میں آرام اور سکون کی زندگی گزارنے کا موقع دوں گا اور وہ بندہ محل میں جانے سے انکار کر دے۔

تو جس طرح وہ بے وقوف انسان ہے، آخرت سے روگردانی کرنے والا اسی طرح بے وقوف انسان ہوتا ہے۔

ترکِ دنیا کا اصل مفہوم:

تو ترک دنیا کا لفظ جو کتابوں میں مشائخ نے لکھا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دنیا سے چل کر غار میں چلے جاؤ اور وہاں بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرو۔ ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ جنگلوں اور غاروں سے ہو کر نہیں جاتا ان گلی کوچوں اور بازاروں سے ہو کر جاتا ہے۔ ہم نے اسی دنیا میں رہنا ہے اور اسی دنیا کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے مگر غافل نہیں ہونا، جو چیز اللہ سے غافل کرے وہ ہماری دشمن ہے۔ اس کو کہتے ہیں ترکِ دنیا۔ ترکِ دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ ترکِ زینت دنیا ہے کہ دنیا کی زینت کو چھوڑ دینا، انسان جو کرے اللہ کے لیے کرے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہر دن نیا قمیص پہنا کرتے تھے لیکن وہ زاہد تھے، اس لیے کہ وہ اپنے لیے نہیں پہنتے تھے، ایک امیر آدمی نے وعدہ لیا تھا کہ میں آپ کو تحفہ دیا کروں تو آپ انکار نہیں کریں گے، چنانچہ وہ روزانہ نیا لباس سلوا کے تحفہ دیتا تھا، آپ پہن لیتے تھے۔ جب اگلے دن نیا لباس ملتا تھا تو پرانا لباس اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیتے تھے۔ تین سو پینسٹھ کپڑے ایک سال میں بدلتے تھے اور وہ زاہدین میں سے تھے۔

دنیا کا حق مہر:

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ خَطَبَ الدُّنْیَا طَلَبَتْ مِنْهُ دِیْنَهٗ کُلَّهٗ فِیْ صِدَاقِهَا

''جس نے دنیا کو طلب کیا تو یہ اپنے حق مہر میں پورے دین کو مانگے گی''

لَا یَرْضِیْهَا مِنْهُ اِلَّا ذٰلِكَ

''اس کے کم پر یہ نکاح نہیں کرتی''

یعنی دنیا نکاح کرے گی تو اس نکاح میں حق مہر دین کو مانگے گی۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

مَنْ طَلَّقَ الدُّنْيَا تَزَوَّجَتْهُ الْاٰخِرَةُ عَلَى الْفَوْرِ

”جو بندہ دنیا کو طلاق دیتا ہے آخرت فوراً اس کے ساتھ نکاح کر لیتی ہے“

ابنِ عطا اسکندری رحمۃ اللہ علیہ کی حکیمانہ بات:

اس امت کے ایک بڑے حکیم اور دانا تھے، ان کا نام ہے ابن عطا اسکندری رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کی کتاب ”الحکم“ بڑی معروف کتاب ہے۔ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق والے لوگوں میں سے تھے، مگر اس امت کے لقمان حکیم کہے جا سکتے ہیں۔ عجیب حکمت کی باتیں اللہ نے ان کی زبان سے جاری فرمائیں، وہ فرماتے ہیں:

وَقَفَتِ الدُّنْيَا فِيْ طَرِيْقِ الْاٰخِرَةِ فَمَنَعَتِ الْوُصُوْلَ اِلَيْهَا

”دنیا آخرت کی طرف جانے والے راستے کے درمیان بیٹھ گئی اور اس نے بندے کا آخرت کی طرف جانا مشکل بنا دیا۔“

ایک جگہ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا جَعَلَهَا مَحَلًّا لِلْاَغْيَارِ وَمَعْدِنًا لِوُجُوْدِ الْاَكْدَارِ تَزْهِيْدًا لَكَ

”اللہ نے اس دنیا کو اپنے دشمنوں کی جگہ بنایا اور رنج و پریشانی کا گڑھ بنایا اس سے زہد اختیار کرو“

تو مومن کو چاہیے کہ وہ دنیا سے زہد اختیار کرے اور آخرت کی طرف متوجہ ہو

شیخ سید محمد عباد رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

اَلدُّنْيَا مَانِعَةٌ مِّنْ سَعَادَةِ الْاٰخِرَةِ وَالْقُرْبِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى

”یہ دنیا سعادتِ اخروی اور قربِ الٰہی میں رکاوٹ ہے“

چنانچہ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قِيْمَتُكَ مَا اَنْتَ مَشْغُوْلٌ بِهٖ فَاِنِ اشْتَغَلْتَ بِالدُّنْيَا فَلَا قِيْمَةَ لَكَ فَمِثَالُ الدُّنْيَا كَالْجِيْفَةِ لَا قِيْمَةَ لَهَا

''تیری قیمت اللہ کی نظر میں وہ ہے کہ تو کس کام میں لگا ہوا ہے، اب ایک بندہ اگر فقط دنیا میں لگا ہوا ہے تو دنیا اللہ کے نزدیک مردار کی مانند ہے اور مردار کی کوئی قیمت نہیں ہوتی''

لہٰذا اگر تو دنیا میں لگا ہے تو تیری بھی کوئی قیمت نہیں۔ اگر تو دین میں لگا ہوا ہے تو اللہ رب العزت کے ہاں دین کی بڑی قدر و قیمت ہے، تو تیرا بھی مقام اللہ کے ہاں بلند ہے۔

دنیا پل صراط ہے:

ایک شخص حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور وہ بادشاہ کے ساتھ اپنا وقت گزارتا تھا اور اس پر دنیا بڑی فراخ تھی۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا:

مَا حِرْفَةُ هٰذَا

بھئی! یہ جو تیرے پاس دنیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

فَقِيْلَ اِنَّهٗ صِرَاطٌ

کہنے لگا کہ یہ میرے لیے پل صراط ہے۔

قَالَ هٰذَا الَّذِيْ عَرَفْتَ قِيْمَتَهَا

فرمایا کہ ہاں، تو نے حقیقتِ دنیا کو واقعی سمجھ لیا۔

اب حقیقتِ دنیا کو سمجھنے کے بعد بادشاہ کے ساتھ مل کر کام کرنا بھی تیرے لیے برا نہیں ہے۔

دنیا کا منتر:

کچھ لوگ ہوتے ہیں، انہوں نے سانپ کا منتر سیکھا ہوتا ہے، وہ واقعی سانپ کو پکڑ لیتے ہیں۔ ہمیں بھی ایک آدمی کا ایک مرتبہ تجربہ ہوا۔ وہ اللہ کا بندہ سانپ کو جہاں دیکھتا تھا، ایسے اٹھاتا تھا جیسے رسی اٹھاتے ہیں۔ بلکہ ایک جگہ ایک لمبا سارا سانپ سویا پڑا تھا، تو کسی نے اسے کہا کہ دیکھو کہ وہ سانپ ہے۔ وہ آیا اور اس نے ہاتھ مار کر پہلے سانپ کو جگایا۔ کہتا ہے، سوئے کو کیا پکڑنا؟ جب وہ بھاگنے لگا تو اس کو پکڑ لیا۔ وہ اس کا گولا بنا دیتا تھا، رسی کی طرح جیب میں ڈال لیتا تھا، ہم حیران ہوتے تھے کہ نہ اس نے دانت توڑے نہ کچھ اور کیا عجیب اس کا معاملہ تھا۔ تو علما نے لکھا کہ جس طرح لوگوں نے سانپ کا منتر سیکھا ہوتا ہے اور سانپ انہیں نقصان نہیں دیتا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا کا منتر سیکھ لیا تھا، دنیا ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔

عوام الناس تو سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ دریائے دجلہ سے پار ہو گئے، یہ عوام الناس کے نزدیک ہے۔ محققین کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ جب فتوحات دنیا شروع ہوئیں تو ان کے سامنے دنیا کا دریا بہہ گیا، اس دریا میں سے وہ اپنے ایمان کو حفاظت سے لے کر گزر گئے، یہ ان کی بڑی کرامت ہے۔ تو دنیا تو ہمارے سامنے آج کھلی ہوئی ہے، جس بندے کو دیکھو اللہ نے ضرورت سے زیادہ دی ہوئی ہے، پھر اسی کے پیچھے بندہ لگ پڑے تو گویا اس نے اپنی آخرت کا نقصان کر لیا۔ تو مقصود ہمارا آخرت ہے، دل میں ہوس نہ ہو، تڑپ نہ ہو، بن طلب اللہ عطا کر دے تو انسان اس دنیا کو دین کے لیے استعمال کرے۔

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد:

چنانچہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے، اللہ نے اتنی دنیا دی تھی کہ ان کی سواری کے جانوروں کی جو میخیں تھیں، وہ سونے اور چاندی کی ہوتی تھیں۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ان کے پاس گئے کہ میں دیکھوں تو سہی کہ لوگ اتنا بیعت ہوتے ہیں، متوجہ ہوتے ہیں، فائدہ لیتے ہیں، یہ کیسے بزرگ ہیں؟ وہاں گئے تو دیکھا کہ مال ودولت کی ریل پیل ہے، قالین بچھے ہوئے ہیں، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دل میں کہا: ع

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

''وہ بندہ مردِ خدا نہیں جو دنیا کو دوست رکھے''

اور یہ کہہ کر وہیں سے واپس آگئے اور بیعت نہ ہوئے۔ تھکے ہوئے تھے، ایک مسجد دیکھی، نماز پڑھی اور سو گئے۔ سو گئے تو خواب دیکھا، قیامت کا دن ہے، بہت سارے لوگ مولانا صاحب سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہے ہیں اور حق لینے والے اتنے ہیں کہ سب کو دے دیں تو اپنے پاس کچھ نہیں بچتا، تو پریشان تھے۔ اس پریشانی کے عالم میں کیا دیکھا کہ حضرت ایک سواری پر گزر رہے ہیں اور پیچھے مخلوق خدا ہے۔ ان کے ساتھ وہاں آ کر رکے، پوچھا کیا مسئلہ ہے؟ مولانا صاحب کا۔ اوجی حق والے حق مانگ رہے ہیں اور ان کے پاس دینے کے لیے تو عمل نہیں ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا: اچھا ہمارے ذخیرہ میں سے ان کو ادا (Pay) کر دو! چنانچہ ان کو ادا کر دیا گیا اور مولانا صاحب کی جان چھوٹ گئی۔ مولانا صاحب کی آنکھ کھلی تو سوچنے لگے کہ نہیں معاملہ کچھ اور ہے۔ وہیں سے دوبارہ لوٹ کر آئے اور آ کر ملے اور جب آ کر سلام کیا تو اللہ تعالیٰ اہل اللہ کو باتیں القاء کر دیتا ہے، تو حضرت نے پوچھا: مولانا! جب پہلی

مرتبہ آئے تھے تو کیا فقرہ کہہ کر گئے تھے۔ تو مولانا صاحب کو بتانے سے شرم آئی، فرمایا: نہیں، بتاؤ! حضرت! میں نے یہ کہا تھا:

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

وہ مردِ خدا نہیں جو دنیا کو دوست رکھے۔

حضرت نے شعر کو مکمل کیا، فرمایا: ع

اگر دارد برائے دوست دارد

اگر دنیا ہو تو اللہ کے لیے ہو اپنے نفس کے لیے نہ ہو۔

مرغابی کی مثال:

اس لیے مومن کی مثال مرغابی کی مانند ہوتی ہے، آپ مرغابی کو دیکھیں وہ پانی کے اندر اتری بیٹھی ہے مگر اس کے پر پانی سے تر نہیں ہوتے، وہ ایسے سلکی بنے ہوئے ہوتے ہیں کہ پانی کے اوپر بیٹھنے کے باوجود پانی سے تر نہیں ہوتے۔ چنانچہ جب اس نے اڑنا ہوتا ہے تو وہیں سے وہ پرواز کر جاتی ہے۔ اگر پانی سے پر تر ہو جاتے تو اس کو پرواز نصیب نہ ہوتی۔

تو مومن کی مثال مرغابی کی مانند ہے کہ ہے تو وہ دنیا میں مگر دنیا کے پانی سے اس کے پر تر نہیں ہونے چاہئیں۔ جب آخری وقت آجائے تو وہ کلمہ پڑھے اور اپنے اللہ کے حضور پہنچ جائے۔ اللہ نے بندوں کو مختلف حالات میں رکھا ہے، کسی کا رزق تھوڑا کر دیا، کسی کا رزق وسیع کر دیا، جو جس حال میں بھی ہے مقصود اللہ کی ذات ہو، ضروریات کو پورا کرے خواہشات کو آخرت کے لیے چھوڑ دے۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ کتنے لوگ ہوں گے جو نرم بستروں پر سونے والے ہوں گے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو نور کے ممبروں کے اوپر بٹھائیں

گے۔ اس لیے کہ نرم بستروں پر رہ کر بھی وہ اللہ کا ذکر کرنے والے لوگ تھے۔

دنیا کا سر اس کی محبت ہے:

شیخ زروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ الشَّانُ فِيْ قَتْلِ الْحَيَّةِ إِنَّمَا الشَّانُ فِيْ إِمْسَاكِهَا حَيَّةً

''سانپ کو مار دینا کوئی بڑا کام نہیں ہوتا، اصل کام تو یہ ہوتا ہے کہ تم زندہ سانپ کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لو''

شیخ ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَلدُّنْيَا جَرَادَةٌ إِذَا قُطِعَ رَأْسُهَا حَلَّتْ

دنیا ایک ٹڈی کی مانند ہے، جب اس کا سر قلم کر دیا جائے گا تو وہ حلال ہو جائے گی۔

وَ رَأْسُهَا حُبُّهَا

اور دنیا کا سر اس کی محبت ہے۔

جس نے محبتِ دنیا کا سر قطع کر دیا، اب یہ دنیا حلال ہو گئی۔

دنیا جادوگرنی ہے:

اور یہ دنیا ہاروت ماروت سے زیادہ بڑی جادوگرنی ہے۔ وجہ کیا ہے؟ کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے جو اللہ کی طرف سے جادو کا علم لے کر آئے تھے، وہ لوگوں کو بتاتے تھے کہ یہ تمہارے لیے نقصان دہ ہے۔ مگر گمراہ لوگ ان سے سیکھتے تھے، یہ بھی ایک امتحان تھا۔ قرآن میں اس کا تذکرہ ہے۔

﴿وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ

أَحَدٍ حَتّٰى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾

(البقرة:۱۰۲)

ہاروت اور ماروت جو جادو لائے تھے وہ جادو بندے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کروا دیتا تھا۔ لیکن یہ دنیا ہاروت اور ماروت سے بھی بڑی جادوگرنی ہے، یہ میاں اور بیوی میں جدائی نہیں ڈالتی بلکہ یہ بندے کو اللہ سے جدا کر دیتی ہے۔ دنیا تو بڑی جادوگرنی ہوئی۔

اس لیے اس کی حقیقت کو بندہ سمجھے اور اس کو پانے کے لیے خلاف شرع کام کرنے کی کوشش نہ کرے۔ جو نصیب اور مقدر میں ہے وہ مل جائے گا۔ ہاں سنت کی نیت سے انسان اکلِ حلال کی کوشش ضرور کرے، جو مقدر میں ہوگا اللہ تعالیٰ عطا فرما دیں گے۔ ہوس نہ ہو دل میں، یتیم کا مال کھا لینا، کسی کو دھوکا دے کے مال لے لینا، دھوکا دے کر چیزیں بیچ دینا، جھوٹی قسمیں کھا کر چیز بیچنا، ملاوٹ کر کے چیزیں بیچنا، یہ سب محبتِ دنیا کی باتیں ہیں اور یہ سب حرام ہیں۔ مؤمن ایسی چیزوں سے بہت دور ہوتا ہے اس لیے وہ رزقِ حلال پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

دنیا کے بیمار کو فکرِ آخرت اچھی نہیں لگتی:

شیخ عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا أَحْبَبْتَ شَيْئًا إِنْ كُنْتَ لَهُ عَبْدًا وَهُوَ لَا يَرْضٰى أَنْ تَكُوْنَ لِغَيْرِهٖ عَبْدًا

”تو جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا بندہ بن جاتا ہے اور نہیں چاہتا کہ تو کسی دوسرے کا بندہ بنے“

اگر تم کسی دنیا کے بندے بنو گے تو دنیا تمہیں اللہ کا بندہ نہیں بننے دے گی۔

بعض حکما فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْبَدَنَ اِذَا سَقِمَ لَمْ یَنْفَعْهُ طَعَامٌ وَّلَا شَرَابٌ

''جب جسم بیمار ہوتا ہے تو کھانا اور پینا اس کو فائدہ نہیں دیتا۔''

کَذَالِكَ الْقَلْبُ اِذَا عَلِقَ حُبَّ الدُّنْیَا لَمْ تَنْفَعْهُ الْمَوْعِظَةُ

''اسی طرح جب دل دنیا کی محبت کی وجہ سے بیمار ہوتا ہے تو اس بندے کو مواعظ اور نصیحت کی بات پھر فائدہ نہیں دیا کرتی''

اس کے سامنے پھر نصیحت کی باتیں کرو اس کے اوپر سے گزر جاتی ہیں۔ وہ ایک کان سے سنتا ہے دوسرے سے نکال دیتا ہے۔ بلکہ اس سے مذمتِ دنیا کی بات کرو تو اسے پیٹا پک ہی اچھا نہیں لگتا۔ اس طرح یہ بندہ دنیا کے کاموں کے اندر الجھا ہوا ہوتا ہے۔

مضرتِ دنیا سے بچنے کا نسخہ:

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔

اَخْرِجْ حُبَّ الدُّنْیَا مِنْ قَلْبِكَ وَ اجْعَلْهَا فِیْ یَدِكَ فَاِنَّهَا لَا تَضُرُّكَ

''دنیا کی محبت کو اپنے دل سے نکال دو اور دنیا کو تم ہاتھ میں پکڑ لو، یہ دنیا پھر تمہیں نقصان نہیں دے گی''

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ کشتی چلنے کے لیے پانی کا ہونا ضروری ہے لیکن پانی کشتی کے اگر نیچے ہوگا تو کشتی چلتی رہے گی اور اگر وہ پانی کشتی کے اندر بھر جائے تو اس کے ڈوبنے کا سبب بنے گا۔ اسی طرح دنیا کا مال ہو مگر پاؤں کے نیچے ہو پھر یہ فائدہ دے گا اور اگر نیچے سے اٹھ کر دل کے اندر آ گیا، اب ایمان کی کشتی ڈوبنے کا

سبب بن گیا۔

مال ایمان کے لیے ڈھال:

آج کے دور میں مال ایمان کے لیے ڈھال ہے، غریب کا تو ایمان بھی باقی نہیں رہتا۔ نبی ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

((كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا))

"قریب ہے تنگ دستی تمہیں کفر تک پہنچا دے"

لیکن اس مال کو ہم نے کوئی دنیا کا مقصد تو نہیں بنانا۔ اگر یہ مال ہو تو اللہ کی رضا کے لیے ہو، انسان اس کو آخرت کے لیے استعمال کرے۔

دنیا مومن کے لیے قید خانہ:

اس لیے حدیث مبارکہ ہے، فرمایا:

((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْكَافِرِ))

"کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت کی مانند ہے"

اس کا کیا معنی ہے؟ عوام الناس تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا معنی شاید یہ ہو کہ دنیا میں مومن انسان کے اوپر دنیا میں پابندیاں ہیں، لہٰذا دنیا تو قید خانہ ہے، اس کا یہ معنی نہیں ہے۔ اس کے دو معنی ہیں:

ایک معنی تو یہ کہ اگر دنیا میں انسان کو تمام نعمتیں دے بھی دی جائیں تو بھی آخرت کے مقابلے میں یہ دنیا قید خانے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح کافر کو اس دنیا کا تمام عذاب دے دیا جائے پھر بھی جہنم کے عذاب کے مقابلے میں یہ دنیا اس کے لیے جنت کی مانند ہوگی۔

اور دوسرا معنی سن لیجیے! شیخ ابوالعباس المرسی یہ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، وہ فرماتے تھے۔

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ

''دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے''

وَ شَاْنُ الْمَسْجُوْنِ التَّحْدِیْقُ بِعَیْنَیْہِ وَالْاِصْغَاءُ بِاُذُنَیْہِ مَتٰی یُدْعٰی مُجِیْبٌ

اور جو بندہ جیل میں قید ہوتا ہے اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کی آنکھیں انتظار کر رہی ہوتی ہیں۔ کان منتظر ہوتے ہیں کہ کب رہائی کا حکم آئے گا۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا: دنیا قید خانے کی مانند ہے، گویا مومن کی آنکھیں ترس رہی ہوتی ہیں ملک الموت کو دیکھنے کے لیے اور اس کے کان اس کے انتظار میں ہوتے ہیں کہ میرے مالک کی طرف سے کب میرا بلاوا آئے اور اس دنیا کے قید خانے سے جان چھوٹ جائے۔

مومن کی شان:

اس لیے فرمایا:

اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَ الْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَ اِسْتِعْدَادٌ لِلْمَوْتِ قَبْلَ النُّزُوْلِ

یہ مومن کی شان ہوتی ہے کہ دنیا میں رہتا ہے مگر دنیا میں دل نہیں لگاتا۔ وہ اللہ کے لیے اداس ہوتا ہے، آخرت کی طرف دل کھنچ رہا ہوتا ہے۔

وَ اِسْتِعْدَادٌ لِلْمَوْتِ قَبْلَ النُّزُوْلِ

اور موت کے آنے سے پہلے وہ موت کی تیاری کر رہا ہوتا ہے۔

دنیا کی محبت کیسے نکلے؟

اگر دنیا کی محبت اتنی نقصان دہ ہے تو ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دنیا کی محبت دل سے کیسے نکلے؟ سنیے!

وَلَا یَخْرُجُ حُبُّ الدُّنْیَا مِنَ الْقَلْبِ اِلَّا بِخَوْفٍ مُزْعِجٍ

''دنیا کی محبت دل سے نہیں نکل سکتی جب تک دل میں اللہ کا خوف نہ ہو''

اَوْ شَوْقٍ مُقْلِقٍ

''یا اللہ کی محبت کا شوق نہ ہو''

تو جہنم کا خوف ہو یا اللہ کے وصل کا شوق ہو، یہ دو چیزیں انسان کے دل سے دنیا کی محبت کو نکال دیتی ہیں

اور ایک تیسری چیز ہے جس کو کہتے ہیں ذکر کی کثرت کرنا۔ اللہ کا ذکر جو شخص بھی کثرت کے ساتھ کرے گا، دنیا کی محبت اس کے دل سے نکل جائے گی۔ اس کی دلیل سنیے! قرآن عظیم الشان میں ایک آیت مبارکہ ہے:

﴿ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ﴾ (النمل:۳۴)

ظاہر میں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں، فساد مچا دیتے ہیں اور جو وہاں کے معزز ہوتے ہیں ان کو بستی سے نکال دیتے ہیں'' حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ایک نکتہ لکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اس میں بہترین تمثیل ہے۔ کیا؟ اگر ملوک سے مراد اللہ کا نام لیا جائے اور قریہ سے مراد دل کی بستی لی جائے تو پھر اس کا معنی یہ بنے گا۔

﴿ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً ﴾

جب اس مالک الملک کا نام اس دل کی بستی کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔

﴿ أَفْسَدُوهَا ﴾

انقلاب مچا دیتا ہے۔

﴿ وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ﴾

اور دنیا جو دل میں معزز ہوتی ہے اس کو وہ دل سے نکال کے باہر کر دیا کرتا ہے۔

تو اللہ کا ذکر انسان کے دل سے دنیا کی محبت کو ختم کر دیتا ہے۔

دنیا کے محب، دنیا کے ساتھ جہنم میں:

اب ذرا بات کو سمیٹتے ہیں یہ بات کا لب لباب ہے۔سید عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات لکھی ہے، مگر عجیب! سونے کی سیاہی سے لکھنے والی بات ہے۔فرماتے ہیں:

إِنَّ الدُّنْيَا تَمَثَّلُ وَ تَوَقَّفُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ

قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ دنیا کو ایک صورت دے کر اپنے سامنے کھڑا فرمائیں گے۔

وَ يَأْمُرُ بِهَا إِلَى النَّارِ

پھر اللہ دنیا کے بارے میں حکم دیں گے کہ اس کو جہنم کے اندر ڈال دیا جائے۔

فَتَقُوْلُ الدُّنْيَا يَا رَبِّيْ وَ مَنْ يُحِبُّنِيْ مَعِيَ

دنیا اس وقت یہ کہے گی: اللہ! جو مجھ سے محبت کرنے والے تھے ان کو بھی تو میرے ساتھ بھیجیے

فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ وَ مَنْ يُحِبُّكَ مَعَكَ

اللہ تعالیٰ اس وقت فرمائیں گے جو تجھ سے محبت کرنے والے ہیں وہ بھی

تیرے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔

اور یہ اس لیے ہوگا کہ نبی ﷺ نے فرما دیا:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ))

''قیامت کے دن انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت ہوگی''

جو دنیا سے محبت کریں گے جہنم میں جائیں گے، جو اللہ سے محبت کریں گے وہ جنت میں جائیں گے۔

سید علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ الدُّنْیَا حُشِرَ مَعَ مَبْغُوْضٍ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰهُ تَعَالٰی لَهٗ مُنْذُ خَلْقِهٖ

''جس بندے نے دنیا سے محبت کی اس کا حشر قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس کی طرف اللہ نے ایک مرتبہ بھی محبت کی نظر سے نہیں دیکھا''

پھر سوچیے، کیا قیامت کے دن دنیا کے ساتھ کھڑے ہونا ہمیں اچھا لگے گا۔

عہدہ و مرتبہ مقصود حاصل کرنے میں مانع نہیں:

اب کوئی بندہ ذہن میں یہ سوچے کہ میرا تو اتنا بڑا عہدہ ہے، نوکری ہے، ذمہ داریاں ہیں، مجھے کیوں کہہ رہے ہیں کہ جی دنیا کی محبت سے بچو؟ بھئی! نوکری نے کوئی منع نہیں کر رہا، انڈسٹری لگانے سے کوئی منع نہیں کر رہا، منع کر رہے ہیں کہ ان چیزوں میں رہ کر خلاف شرع کام نہ کیجیے۔ ان چیزوں میں الجھ کر رب کو ناراض نہ کیجیے۔ یہ مقصد ہے کہنے کا۔ قیامت کے دن کئی لوگ ہوں گے کہ جن پر دنیا وسیع تھی اور انہوں نے اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ کے حکموں کے مطابق زندگی گزاری ہو گی۔

چنانچہ ایک بندہ قیامت کے دن کہے گا: اللہ! میں تو فلاں عہدے پر تھا، بڑی ذمہ داری تھی، میرے لیے تو بچنا ناممکن تھا۔ اللہ تعالیٰ سلمان علیہ السلام کو کھڑا فرمائیں گے کہ دیکھو! یہ میرے نبی بھی تھے اور وقت کے بادشاہ بھی تھے، انسانوں کے بادشاہ، جنوں کے بادشاہ، پرندوں کے بادشاہ، خشکی کے بادشاہ، تری کے بادشاہ، ہوا پر حکم چلتا تھا ان کا، ایسی بادشاہت تھی۔ اگر ایسی بادشاہت کے باوجود وہ مجھ سے ایک لمحہ کے لیے غافل نہ ہوئے تو تم اپنی غفلت کے کیا بہانے بنا رہے ہو؟

چار منفرد خوبیوں کا حامل بادشاہ:

قریب کے زمانے کی بات سناتا ہوں، ایک بزرگ گزرے ہیں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے بڑے بزرگ ہیں اور دہلی میں مدفون ہیں اور ان کی قبر کے بالکل قریب ایک مینار بنا ہے جسے قطب مینار کہتے ہیں۔ مغلیہ بادشاہ بھی ان سے بیعت تھے، جب وقت کے بادشاہ ان سے بیعت ہوئے تو عوام الناس کا کیا کہنا، اللہ نے ان کو بڑی عجیب شان دی تھی، خوب ان کا فیض پھیلا۔ ان کی وفات ہوگئی تو ان کا جنازہ ایک بڑے میدان میں لایا گیا، چونکہ مخلوقِ خدا تھی جو جنازہ پڑھنے کے لیے بیتاب تھی۔ کچھ میت ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو جنازہ پڑھنے والوں کی وجہ سے فائدہ ہو جاتا ہے، حدیث پاک میں ہے کہ جس میت کا جنازہ چالیس ایمان والے پڑھ لیں اللہ اس میت کے گناہوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ تو کچھ میت ایسے ہوتے ہیں کہ جنازہ پڑھنے والوں کی وجہ سے ان کو فائدہ ہوتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جنازہ پڑھنے والوں کو جنازہ پڑھنے کی وجہ سے فائدہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ان ہستیوں میں سے تھے، ہر بندہ چاہتا تھا میں جنازے میں شرکت کرلوں۔

چنانچہ مخلوقِ خدا کا جمِ غفیر تھا، جہاں تک آنکھ دیکھتی تھی لوگوں کا ایک دریا تھا جو سامنے موجود تھا۔ جنازہ لاکر رکھا گیا، ایک آدمی آگے بڑھا اور اس نے کہا کہ جی مجھے حضرت نے ایک وصیت کی تھی میں وہ وصیت پڑھ کر سب کو سناؤں گا۔ شریعت کا حکم ہے کہ میت وصیت کرے تو دائرۂ شریعت کے اندر اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے وصیت پڑھ کر سنائی۔ وصیت یہ تھی کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس کے اندر چار باتیں ہوں:

پہلی بات: فرض نماز کی تکبیر اولیٰ کبھی بھی قضا نہ ہوئی ہو۔

دوسری بات: تہجد کی نماز کبھی بھی قضا نہ ہوئی ہو۔

تیسری بات: اتنا عبادت گزار ہو کہ عصر کی چار سنتیں جو سنت غیر مؤکدہ ہیں، وہ بھی کبھی نہ چھوڑی ہوں

چوتھی بات: کہ بلوغت کے بعد کبھی بھی غیر محرم پر اس کی بری نظر نہ پڑی ہو۔

چار شرطیں جس بندے میں ہوں وہ میرا جنازہ پڑھائے۔ جب یہ اعلان کیا گیا تو مجمع کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ (Pin drop silence) کون تھا جو جرأت کرتا آگے بڑھنے کی۔ لوگ حیران تھے کہ آج شیخ کا جنازہ کون پڑھائے گا؟ حیران تھے کہ کیسی وصیت کر دی؟ کچھ دیر گزری ایک بندہ آگے بڑھا اور وہ رو رہا تھا، حضرت کے قریب آیا اور ان کے چہرے سے چادر ہٹا کر کہنے لگا کہ حضرت! آپ تو وفات پا گئے، پردہ کر لیا اور مجھے آپ نے رسوا کر دیا، میرے راز کو آپ نے کھول دیا۔ پھر اس بندے نے اللہ کو حاضر ناظر جان کر مجمع کے سامنے قسم اٹھا کر کہا کہ میرے اندر چاروں باتیں موجود ہیں، اس نے نماز پڑھائی۔ اور یہ بندہ وقت کا بادشاہ سلطان التمش تھا۔ اگر وقت کے بادشاہ بھی ایسی زندگی گزار سکتے ہیں، ہمارے بہانے قیامت کے دن کیا

کام آئیں گے۔ تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ کو اپنا مقصود بنائیں اور اللہ کو اپنا مطلوب بنائیں اور اسی کی محبت میں جئیں اور اسی کی محبت میں مر جائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾

(البقرۃ:۶۱)

یہود کی پیروی

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 31 دسمبر 2010ء، ۲۵ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: بیان جمعۃ المبارک

اقتباس

یہ قرآن مجید کی آیت ہم تلاوتِ قرآن میں اکثر پڑھتے ہیں، مگر اس آیت کو پڑھتے ہوئے دل میں بس یہ خیال آتا ہے کہ ہاں یہود بے بہبود کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ کیا ہم نے کبھی بھی یہ سوچنے کی زحمت کی کہ کہیں ہم بھی یہود کی طرز پر تو زندگی نہیں گزار رہے؟ کہیں ہم ان کے نقشِ قدم پر تو نہیں چل رہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری زندگی بھی اسی طرز پر گزر رہی ہو۔ جب انسان کی بصیرت ختم ہو جاتی ہے، عقل میں فساد آجاتا ہے، پھر وہ اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کے پیچھے لگ پڑتا ہے اور اس کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ تو ہمارا رویہ بھی کہیں ایسا ہی تو نہیں ہو گیا؟ آج ہم اپنی زندگیوں پر ذرا غور کریں کہ کیا ہماری زندگیوں میں بھی بہت سی ایسی مثالیں ہیں کہ ہم اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر لیتے ہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

یہود کی پیروی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ﴾ (البقرة:٦١)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

یہود کو بنی اسرائیل پکارنے میں حکمت:

یہود بے بہبود کا تذکرہ قرآن مجید میں کئی جگہ پر ہے۔ سورۃ بقرہ کی تلاوت شروع کریں تو جگہ جگہ ﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ آتا ہے۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ لقب اسرائیل تھا اور نام یعقوب تھا۔ اسرا کا معنی ہوتا ہے "بندہ" اور ایل کا معنی ہے "اللہ" تو اسرائیل کا معنی "اللہ کا بندہ" یہ ان کا لقب تھا۔ قرآن مجید میں جا بجا بنی اسرائیل کے نام سے اس قوم کو خطاب کیا گیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ ان کو توجہ دلائی تھی کہ دیکھو! تم اللہ کے بندے کی اولاد ہو، اگر تمہارے آباء اتنے اچھے تھے، نیک تھے تو تم بھی نیک بنو! اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ کسی کو کہا جائے کہ اے عالم کے بیٹے! علم حاصل کرو! تو اس بات کے کہنے پر اس کی توجہ زیادہ ہوتی ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کو یوں کہیں کہ اے مشتاق کے بیٹے! علم حاصل کرو! تو انہیں یعقوب علیہ السلام

کی اولاد بھی کہا جا سکتا تھا مگر حکمت کی وجہ سے بنی اسرائیل کے لفظ سے خطاب کیا تا کہ ان کو احساس ہو، توجہ ہو، اور وہ بات کو غور سے سنیں کہ ہم نے بھی اللہ کی بندگی کرنی ہے، ہم نے بھی اللہ کا بندہ بننا ہے۔

صاحبزادگی کا گھمنڈ:

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں تھیں، یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار انبیاء آئے۔ وہ تو انبیا کا خاندان تھا۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ جی وہ تو اولیا کا گھرانہ ہے، ایسے ہی وہ انبیا کی اولاد تھی۔ لیکن یہ جو صاحبزادگی ہے، یہ انسان کو دین سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ اور یہی ان کے ساتھ ہوا کہ یہ اپنے آپ کو صاحبزادہ سمجھنے لگ گئے، گناہ بھی کرتے تھے اور کہتے تھے:

﴿وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً﴾ (سورۃ البقرۃ:۸۰)

''ہمیں نہیں عذاب ہوگا مگر بس تھوڑے دن''

تو ایک طرف نافرمانیاں اور دوسری طرف گھمنڈ اتنا کہ

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾

(سورۃ المائدۃ:۱۸)

''ہم اللہ کے بیٹے اللہ کے بڑے ہی پسندیدہ''

اور دعوے بھی ایسے! یہ صاحبزادگی کا سور بڑی دیر سے دماغ سے نکلتا ہے، چنانچہ ان کی صورت حال یہی تھی کہ اللہ کی نعمتوں نے ان کو الٹا غافل کر دیا، بھٹک گئے اور اللہ کی بندگی کرنے کی بجائے یہ اپنے نفس کی بندگی کرنے لگ گئے۔

قوم یہود پر اللہ کی نعمتیں:

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾

(سورۃ المائدۃ: ۲۰)

"کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی نعمتوں کی یاد کرو، کونسی نعمتیں؟"

﴿إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا﴾ (سورۃ المائدۃ: ۲۰)

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر انبیاء کو بھی بھیجا اور تمہیں شاہی بھی عطا کی"

تو نبوت بھی ملی اور دنیا کی بادشاہی بھی ملی دونوں نعمتیں ملیں۔

﴿وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ المائدۃ ۲۰)

"تمہیں وہ نعمتیں دیں جو دنیا میں کسی اور کو نہیں دیں"

قومِ یہود کا ناشکرا پن:

مگر وہ ایسی بدبختی کا شکار ہو چکے تھے کہ انہوں نے ان نعمتوں کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ انہیں جب حکم ہوا کہ تم شہر میں جاؤ، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾

(سورۃ المائدۃ: ۲۱)

"اے میری قوم! تم ملکِ مقدس جسے اللہ نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے داخل ہو جاؤ"

آگے سے جواب دیتے ہیں:

﴿وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا﴾ (المائدۃ: ۲۲)

"ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ نہ نکلیں"

یعنی جو لوگ وہاں ہیں پہلے ان کو نکالیں۔

﴿فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ﴾ (سورۃ المائدۃ:۲۲)

''جب وہ نکلیں گے تو پھر ہم داخل ہوں گے''

پھر ان کو سمجھایا کہ بھئی! تمہیں اللہ کا حکم ہے تم داخل ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری لیے فتح کو آسان کر دیں گے۔

﴿قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا﴾ (سورۃ المائدۃ:۲۴)

''کہنے لگے اے موسیٰ! جب تک وہ شہر کے اندر ہیں، ہم اس میں ہرگز نہیں داخل ہوں گے۔''

﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ (سورۃ المائدۃ:۲۴)

''آپ اور آپ کا رب جائیں اور ان کے ساتھ قتال کریں ہم یہاں بیٹھے ہیں''

اس سے ان کی بدبختی کا اندازہ ہوتا ہے۔ کتنا گھمنڈ تھا، کتنی خود پسندی میں مبتلا تھے، عجب کا شکار تھے، حکمِ خدا کے سامنے یہ اس طرح انکار کرتے تھے۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے فرعون کو غرق فرمایا تو بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ وہ مصر سے نکل کر شام کی طرف روانہ ہوں۔ جب یہ وادی تیہ میں پہنچے تو اللہ رب العزت نے ان کو من وسلویٰ عطا کیا۔ من وسلویٰ کھاتے رہے۔ اب من وسلویٰ اللہ کی نعمت تھی، ایک تو حلال طیب اور پاکیزہ رزق، حرام کا شبہ بھی نہیں اور دوسری خوبی یہ کہ چونکہ اللہ کی طرف سے بھجوایا ہوا رزق تھا اس لیے قیامت کے دن حساب نہیں۔ تو کیا مزے کی بات تھی، مگر طبیعتوں کے اندر کیونکہ انا تھی، ہوس پرستی تھی، تو وہ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے:

﴿يَا مُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ﴾

(سورۃ البقرۃ:۶۱)

''اے موسیٰ! ہم صبر نہیں کر سکیں گے ایک کھانے پر اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجیے''

اب ذرا غور کیجیے ان الفاظ پر۔ انہوں نے ''یا موسیٰ'' کہا۔ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ بھی کہہ سکتے تھے، ''یا رسول اللہ'' بھی کہہ سکتے تھے، ''یا کلیم اللہ'' بھی کہہ سکتے تھے۔ بات کرنے کا کوئی طریقہ ہوتا ہے، ادب ہوتا ہے، مگر نہیں ''اے موسیٰ'' کہا۔ یہ تھا تکبر اور بے ادبی۔ آگے کیا کہتے ہیں؟ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کریں۔ ایسے جیسے اپنا کوئی تعلق ہی نہیں۔ یہ بھی کہہ سکتے تھے: اُدْعُ لَنَا رَبَّنَا ''ہمارے رب سے دعا فرمائیں'' نہیں۔ کہا:

﴿فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ﴾ (سورۃ البقرۃ:۶۱)

''اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجیے!''

سب سے پہلے کیا بات ہوئی؟

﴿لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ﴾ (سورۃ البقرۃ:۶۱)

''ہم ایک کھانے کے اوپر صبر نہیں کر سکتے''

بھائی ایک کھانا کھا کھا کے ان کی طبیعتیں اکتا چکی تھیں تو یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ ''اللہ ہمارے لیے صبر کو آسان بنا دے''

﴿قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۵۰)

''صبر ہمارے لیے آسان کر دے!''

یہ بھی تو ایک طریقہ ہو سکتا تھا۔ نہیں صاف کہہ دیا کہ ہم نہیں صبر کر سکتے۔ تو ان کی بات میں آپ کو تکبر ملے گا، اس لیے قرآن مجید میں مہر لگا دی:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾

(سورۃ الاعراف:۱۴۶)

''جو لوگ زمین پر ناحق تکبر کرتے ہیں، ان کو قریب ہی اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا''

تو ایک تو ان میں خواہش پرستی تھی اور دوسرا تکبر۔ کہنے لگے کہ بس ہم یہ کھا کھا کے تنگ آ گئے ہیں، اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ زمین سے ہمارے لیے نکالیں:

﴿مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا﴾ (سورۃ البقرۃ:۶۱)

بقلها ترکاری کو کہتے ہیں۔ قثائها ککڑی کو کہتے ہیں، فومہ گندم اور گیہوں کو کہتے ہیں، عدس مسور کی دال کو کہتے ہیں، اور بصل پیاز کو کہتے ہیں۔ تو فرمائش کی کہ ہمیں تو یہ چیزیں کھانے کو چاہئیں۔

اب یہ چیزیں جیسے پیاز ہے، بدبو دار بھی ہوتی ہیں اگرچہ کھانے کی ہی چیزیں ہیں لیکن ان کو من وسلویٰ کے ساتھ نسبت ہی کیا تھی؟

موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت:

تو اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بات سمجھائی:

﴿قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ﴾ (سورۃ البقرۃ:۶۱)

''کیا تم اعلیٰ چیز کو ادنیٰ چیز کے ساتھ بدلنا چاہتے ہو؟''

تم کو اللہ رب العزت نے کیا کیا نعمتیں عطا فرمائیں لیکن تم ان کا شکر کرنے کی بجائے، ان پر راضی ہونے کی بجائے، کمتر چیزوں کی تمنا کرتے ہو اور ادنیٰ چیزوں کا مطالبہ کرتے ہو۔

ہم اپنا جائزہ لیں:

یہ قرآن مجید کی آیت ہم تلاوتِ قرآن میں اکثر پڑھتے ہیں، مگر اس آیت کو پڑھتے ہوئے دل میں بس یہ خیال آتا ہے کہ ہاں یہود۔ بے یہود کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ کیا ہم نے کبھی بھی یہ سوچنے کی زحمت کی کہ کہیں ہم بھی یہود کی طرز پر تو زندگی نہیں گزار رہے؟ کہیں ہم ان کے نقشِ قدم پر تو نہیں چل رہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری زندگی بھی اسی طرز پر گزر رہی ہو۔ جب انسان کی بصیرت ختم ہو جاتی ہے، عقل میں فساد آ جاتا ہے، پھر وہ اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کے پیچھے لگ پڑتا ہے اور اس کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ تو ہمارا رویہ بھی کہیں ایسا ہی تو نہیں ہو گیا؟ آج ہم اپنی زندگیوں پر ذرا غور کریں کہ کیا ہماری زندگیوں میں بھی بہت سی ایسی مثالیں ہیں کہ ہم اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر لیتے ہیں۔

پہلی مثال

ذوقِ قرآن کی بجائے شوقِ اخبار

چنانچہ پہلی مثال یہ کہ مختلف گھروں کے اندر آپ دیکھیں گے، اخبار روز آتا ہے، اس کی ''تلاوت'' روز ہوتی ہے، شروع سے آخر تک پڑھتے ہیں۔ ''رسالے'' آتے ہیں ان کو پڑھا جاتا ہے۔ گھروں کے ڈیزائنوں کے رسالے آتے ہیں ان کو دیکھا جاتا ہے۔ عشقِ مجازی پر مبنی جو کہانیوں والے رسالے ہیں وہ آتے ہیں ان کو پڑھتے ہیں، خواتین کا اخبار، تین عورتیں تین کہانیاں پڑھتے ہیں، ناول پڑھتے ہیں، شعراء کے اشعار پڑھتے ہیں۔ جس گھر میں یہ سب چیزیں پڑھی جا رہی ہوتی ہیں اسی گھر کے

اندر یہ قرآن مجید ہوتا ہے، گھر کے لوگوں میں سے کوئی ایک بھی اسے کھول کے نہیں پڑھتا۔ اب اگر ایسا ہے تو ہم نے اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر لیا ہے۔ ایک طرف قرآن مجید کی نعمت جس کے ہر حرف پہ نیکی ملتی ہیں جس سے انسان کے دل کو سکون ملتا ہے، جس کی قیامت کے دن انسان کو شفاعت ہو گی، جس کا پڑھنا نزولِ رحمت کا سبب ہوتا ہے، جس کا پڑھنا اللہ تعالیٰ اس طرح سنتے ہیں جیسے دنیادار لوگ باندی کے گانے کو توجہ کے ساتھ سنا کرتے ہیں، جس قرآن کے پڑھنے پر فرشتے آ کر پڑھنے والے بندے کے لبوں کو بوسہ دیتے ہیں، جس گھر میں قرآن پڑھا جائے تو جس طرح زمین والوں کے لیے آسمان کے ستارے چمکتے ہیں، آسمان والوں کے لیے وہ گھر جہاں قرآن پڑھا جاتا ہے ستاروں کی طرح چمک رہے ہوتے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ قرآن مجید گھر میں موجود ہے، نہ بیوی کے پاس فرصت ہے، نہ خاوند کے پاس، نہ بیٹی کے پاس، نہ بیٹے کے پاس کہ اس کی تلاوت کرے اس کو سمجھے۔ اور یہی گھر کے افراد اخبار بھی پڑھ رہے ہیں، ڈائجسٹ بھی پڑھ رہے ہیں، ناول بھی پڑھ رہے ہیں، کتابیں بھی پڑھ رہے ہیں۔ باقی سب چیزوں کے پڑھنے کا اگر وقت نکال لیا اور قرآن مجید پڑھنے کا وقت نہ نکالا تو ہم نے کیا کیا؟ حقیقت میں ہم نے اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر لیا۔

﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾

تو مرتکب تو ہم بھی اسی گناہ کے ہو گئے۔ اعلیٰ کو نظر انداز کر دیا، ادنیٰ کو اختیار کر لیا۔ بھاگتے ہیں اخبار کی طرف، دوڑتے ہیں ڈائجسٹ کی طرف، بڑھتے ہیں جلدی سے ناول کو پڑھنے کے لیے، اللہ رب العزت کے قرآن پاک کو پڑھنے کے لیے دل کے اندر چاہت پیدا نہیں ہوتی، اگر یہ صورت حال ہے تو اس کا مطلب ہے ہمارے

اندر بیہودہ بے ہودگی ایک بری عادت موجود ہے۔

اس آیت کو پڑھا کریں گن گنایا کریں۔

﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾

ہم بھی اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کے پیچھے بھاگے پھرتے ہیں۔

دوسری مثال

دین کی بات کے بجائے غیبت وچغلی

دوسری مثال: گھر میں لوگ مل بیٹھتے ہیں، یہ سارے لوگ اگر چاہیں تو یہ بیٹھ کر دین کی بات بھی کر سکتے ہیں، اللہ کا ذکر بھی کر سکتے ہیں مگر نہیں، ذکر کی طرف دھیان نہیں ہوتا مکمل دنیا کی طرف ہوتا ہے۔ غیبت ہوتی ہے، چغلی ہوتی ہے، بہتان تراشی ہوتی ہے، کیا کیا تنقید بازیاں...... یہ تمام گفتگو ادنیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اعلیٰ ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ غافلین میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرنے والا اس طرح ہے جیسے خزاں کے موسم میں ایک لہلہاتا ہوا درخت ہوتا ہے۔ اگر ان محفلوں میں ذکر کرتے، بات چھیڑتے اللہ کی، اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے، لوگوں کے سامنے ان کو ترغیب دیتے تو ہم اعلیٰ گفتگو کو اختیار کرنے والے ہوتے۔ مگر ہم تو مجلسوں میں بیٹھتے ہیں تو بات شروع ہوتی ہی بندوں کی برائیاں بیان کرنے سے ہے اور بات ختم ہوتی ہے بندوں کی برائیاں بیان کرنے پر۔ اگر یہی لوگ بیٹھ کر اللہ کو یاد کرتے۔ تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ ملائک ایسی مجالس کو گھیر لیتے ہیں، جہاں ذکر خدا ہوتا ہے، علما نے تو لکھا

آسماں سجدہ کند بہر زمینے کہ دروں
یک دو کس، یک دو نفس، بیادِ خدا و نشیں

''زمین کے ٹکڑے پر ایک دو بندے ایک دو لمحے کے لیے'' اللہ کو یاد کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں، آسمان زمین کے اس ٹکڑے کو سجدہ کرتا ہے۔

کیونکہ وہ اللہ کو یاد کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔ اور ہم اللہ کا ذکر چھوڑ کر دنیا کی باتوں کے پیچھے لگے ہوتے ہیں، حالانکہ حدیث پاک میں فرمایا: جو ذکر کی مجالس ہیں'' روضۃ من ریاض الجنۃ '' یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ تو ہم اپنی مجالس کو جنت کا باغ بھی بنا سکتے ہیں۔ تو عقلمندی تو یہ ہے کہ ہم دنیا کے تذکرے چھیڑیں ہی نہ۔ مگر نہیں اچسکا پڑا ہوا ہے باتوں کا۔'' اچھا ہور کی حال اے'' اور سناؤ، اور دنیا کی باتیں۔ تو معلوم ہوا کہ ہم اگر ذکرِ خدا کو چھوڑ کر ذکرِ دنیا کے پیچھے رہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے ہمارے اندر بیہودہ بے ہودگی ایک بری عادت موجود ہے کہ ہم نے اعلیٰ کو چھوڑا اور ادنیٰ کو اختیار کر لیا۔

﴿ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ﴾

تیسری مثال

مشغولیت نماز کے بجائے مشغولیتِ ٹی وی سکرین

تیسری مثال: شام ہوتی ہے، گھروں میں ٹی وی کی سکرینیں آن ہو جاتی ہیں۔ بیٹھے کے لوگوں کے چہروں کو دیکھتے ہیں، مرد عورتوں کو دیکھتے ہیں اور عورتیں مردوں کو دیکھتی ہیں۔ یہ سکرین کا نشہ بھی عجیب ہے، گھر سے ٹی وی کو نکالنے کی بات کرو تو بیوی کہے گی کہ میں پہلے نکلوں گی، اس لیے کہ وہ فرسٹ کزن جو ہوا۔ ٹی وی اور بیوی ایک دوسرے کے کزن ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ ٹی وی کا تو پر اگر روز بدلا جا سکتا ہے، بیوی تو نہیں بدلی جا سکتی۔ دوسرا یہ کہ ٹی وی کا سوئچ آف کر کے ٹی وی کو بند کیا جا سکتا ہے

لیکن اس کی زبان تو بند نہیں ہو سکتی۔ تو گھنٹوں گزرتے ہیں۔ ٹی وی کے سامنے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو فرض نماز پڑھنے کا کبھی دھیان نہیں ہوتا۔ اب رب کریم نے حکم دیا کہ تم فرض نماز پڑھو اور اس طرح تم میرے سامنے تصور کرو جیسے تم مجھے دیکھ رہے ہو۔

((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ))

اور ایک عمل ہے کہ انسان نفل پڑھے، نماز پڑھے گویا اللہ کو دیکھے اور دوسری طرف گھنٹوں بیٹھ کر مخلوق کے چہروں کو دیکھے، تو یہ بندہ اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کے پیچھے ہے۔ اگر ہم نماز پڑھتے تو ہمیں دو نعمتیں ملتیں، ایک لذت ایمان نصیب ہوتی اور ایک لذت قرب شیطان نصیب ہوتی۔ شیطان کو غصہ آتا کتنی خوشی ہوتی کہ اللہ کا دشمن ہے اور زک پہنچ رہی ہے۔ لیکن ہم نماز کو چھوڑ کر اگر ٹی وی کی طرف جاتے ہیں تو ہم نے اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر لیا۔

چوتھی مثال

بیوی کے بجائے غیر محرم پر نظر

چوتھی مثال: ایک بندہ شادی شدہ ہے، گھر کے اندر اولاد ہے، خوبصورت، خوب سیرت، لکھی پڑھی بیوی موجود ہے۔ اب یہ بندہ باہر گلی میں نکلتا ہے تو غیر محرم کی طرف دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ جس طرح شکاری کتا چلتے ہوئے ہر جھاڑی کی جڑ کو سونگھتا پھرتا ہے، یہ بھی گلی سے گزرنے والی ہر عورت کو اوپر سے نیچے تک دیکھتا ہے۔ اب گھر میں جو ہے وہ حلال ہے اور غیر پر نظر حرام ہے، مگر یہ بھاگتا ان کے پیچھے ہے۔ جو شادی شدہ بندہ اپنی بیوی جیسی نعمت کو چھوڑ کر غیر محرم کی طرف بھاگتا پھرتا ہے، یہ اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی طرف دوڑتا ہے۔

﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾

سوچیں مانیں کہ ہمارے اندر یہود والی بری عادت موجود ہے۔ بیوی کے ساتھ مسکرانا عبادت، بیوی سے ملنا عبادت، بیوی پر خرچ کرنا عبادت، بیوی کے پاس بیٹھنا عبادت، اس کے منہ میں لقمہ ڈالنا عبادت، ہر چیز پر عبادت کا ثواب ملتا ہے اور غیر محرم سے تعلق جوڑنے کی کوشش کریں تو ہر بات پر گناہ ملتا ہے۔ بیوی سے محبت پر عزت ملے گی، غیر محرم سے محبت پر ذلت ملے گی۔ کیونکہ عزت کو چھوڑ کے ذلت کے راستے پر جو چلے گا۔ تو معلوم ہوا کہ اس نے اعلیٰ کو چھوڑا اور ادنیٰ کو اختیار کر لیا۔

﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾

پانچویں مثال

اسلامی تعلیمات کی بجائے یہود ونصاریٰ کی پیروی

پانچویں مثال کہ دین اسلام نے ہمیں طیب اور پاکیزہ زندگی گزارنے کی تعلیمات دیں فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً﴾ (سورۃ النحل: ۹۷)

”جو بھی ایمان لائے گا، نیک اعمال کرے گا۔ ہم اس کو طیب اور پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے“

اب طیب اور پاکیزہ زندگی مل سکتی ہے دین کے اوپر عمل کرنے سے مگر مزاج ہی ایسا ہے کہ یورپ کے طریقے پسند ہیں۔ لباس دیکھو تو وہ بھی یہود جیسا، شکل دیکھو تو وہ بھی یہود جیسی، کھانے پینے کا طریقہ دیکھو تو وہ بھی یہود جیسا، دو چمچ سے یا چھری کانٹے

سے کھانا، کھڑے ہو کر کھا رہے ہیں، بیٹھنے اٹھنے کا طریقہ دیکھو تو کفار کی طرح، اسلام علیکم کہنا اچھا نہیں لگتا، ایک دوسرے کو اس ماحول اور معاشرے میں " Good Morning) " کہتے ہیں، کسی نے اچھا کام کیا تو جزاک اللہ کہنا اچھا نہیں لگتا، "Thank you" کہیں گے۔

تو معلوم ہوا کہ اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے طرز زندگی کو پسند کرتا ہے، یہ اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر رہا ہے۔ اور آپ کو تو ایسے کئی لوگ ملیں گے کہ دین پڑھنے کی فرصت نہیں اور عصری تعلیمات پڑھنے کے عاشق ہیں۔ یہ اعلیٰ کو چھوڑ کے ادنیٰ کے پیچھے ہیں۔

﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾

چھٹی مثال

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بجائے دنیاوی شخصیات آئیڈیل

ایک اور مثال کتنے نوجوان ہیں ان سے پوچھیں، بھائی آپ کا آئیڈیل کون ہے؟ جی فلاں کھلاڑی ہمارا آئیڈیل ہے، کھلاڑی آئیڈیل بنا، بعضوں کے تو آئیڈیل کوئی ایکٹر بنے ہوتے ہیں، اور بعضوں کے سنگر آئیڈیل ہوتے ہیں۔ اب بتائیں! ہمارے سامنے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی ذات بابرکات موجود ہے۔ ان کی زندگی کامل تھی، دنیا میں جتنے بھی لوگ آئے سب نے تسلیم کیا کہ ہم اپنی زندگی کے مقصد کو پورا نہیں کر سکے۔ چنانچہ کتابیں لکھنے والوں نے کتابیں لکھیں اور پھر کہا کہ وقت نے ساتھ نہیں دیا ورنہ میں اور بھی کتابیں لکھتا۔ دنیا میں جرنیل آئے، انہوں نے کہا کہ جی بڑی فتوحات کیں، زندگی نے ساتھ نہیں دیا ورنہ ہم اور علاقے بھی فتح

کرتے۔ سائنسدانوں نے کہا کہ ہم نے بڑی تحقیقات کیں زندگی نے ساتھ نہیں دیا ورنہ اور بھی تحقیقات کرتے۔ تو جتنے بڑے بڑے لوگوں کی زندگیوں کو آپ پڑھیں، تو یہ بات آپ کو ان سب میں (Common) مشترک ملے گی کہ ان سب نے کہا کہ اگر اور زندہ رہتے تو اور بڑے کام کرتے۔ اس کا مطلب ہے کہ انکی زندگی ادھوری تھی۔ تاریخ انسانیت میں ایک ہستی ہے، رات کے تاریکی میں نہیں دن کی روشنی میں، تنہائی میں نہیں ایک لاکھ سے زیادہ مجمع میں کھڑے ہو کر کہا کہ لوگو! جس مقصد کو لے کر میں دنیا میں آیا تھا، میں نے اس مقصد کو پورا کر دیا۔ لوگوں نے گواہی دی کہ آپ نے پورا کر دیا۔ انگلی اٹھا کر کہا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ

اللہ گواہ رہنا، میں زندگی کے مقصد کو پورا کر کے جا رہا ہوں۔

ایسی کامل زندگی اور شخصیت ہمارے سامنے ہو اور ہمارے آئیڈیل بنیں کھلاڑی، ایکٹر اور سیاسی شخصیات، جو آئیڈیل ہی ان کو بنا تا پھرے تو پھر اس نے اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر لیا۔

﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ﴾

ساتویں مثال

فکرِ آخرت کے بجائے دنیا سے لگاؤ

ہمارے سامنے دو اختیار (Option) ہیں۔ ایک ہے دنیا اور ایک ہے آخرت۔ ہر بندے کا دل چاہتا ہے کہ میں یہاں گھر بناؤں، میں یہاں اپنا ٹھکانہ بناؤں، میں اسے ایسے سجاؤں۔ ہر بندہ دنیا میں اپنی جنت سجانے میں لگا ہوا ہے۔ یہ

نہیں ہے کہ صرف نمرود نے جنت بنائی تھی، ہر بندہ جنت سجانے میں لگا ہوا ہے، میرا گھر ایسا ہو، میری گاڑی ایسی ہو، میری بیوی ایسی ہو، میرے بچے ایسے ہوں، جنت سجانے میں لگا ہوا ہے۔ جتنا شوق ہوتا ہے کہ دنیا کی یہ سب چیزیں ہوں کیا اتنا شوق یہ بھی ہے کہ آخرت میں بھی یہ نعمتیں ہوں، آخرت کی طرف دھیان ہی نہیں۔ تو بزرگ فرماتے تھے:

''اے دوست! جتنا دنیا میں رہنا ہے اتنا دنیا کے لیے کوشش کر لے، جتنا آخرت میں رہنا ہے، اتنا آخرت کے لیے کوشش کر لے۔''

تو دنیا میں تو رہنا ہے سو پچاس سال اور آخرت میں رہنا ہے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔ علما نے لکھا کہ زمین اور آسمان کے درمیان جتنا خلا ہے، رائی کے دانوں سے بھر جائے اور ایک پرندہ ایک دانے کو کھائے، پھر ہزار سال کے بعد آ کر دوسرے دانے کو کھائے اور پھر ہزار سال کے بعد تیسرے دانے کو کھائے، ایک وقت آئے گا کہ یہ سارے رائی کے دانے ختم ہو جائیں گے آخرت کی زندگی کبھی ختم نہیں ہو گی۔ تو ہم نے آخرت کو چھوڑ کر دنیا پر امیدیں لگا دیں، ہمتیں صرف کر دیں۔ کتنے گھرانے ایسے ہیں، تین بیٹے دو بیٹیاں ہیں، پانچوں کے پانچوں سکول کالج یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں اور پانچوں کو دین پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ تو ہم نے اولاد کو کدھر لگایا؟ ادنیٰ کی طرف یا اعلیٰ کی طرف؟

یہ تو روز کا معاملہ ہے، آپ اپنے اردگرد دیکھیں! بس ماں کو ایک بات کی فکر ہوتی ہے کہ سکول میں نمبر کم نہیں ہونے چاہئیں۔ اور جب تک بچہ پیسہ کماتا ہے ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ایک بچے کا باپ کہنے لگا کہ جی! یہ میرا بچہ تو بڑا فرشتہ ہے، کیا بات ہے اس کی! اتنی اس کی تعلیم ہے، اتنی اس کی تنخواہ ہے اور آخر پر کہتا ہے کہ

تھوڑا سا یہ دھریہ بن گیا ہے۔ جو دہریہ بن کر ایمان سے محروم ہو گیا، لیکن پیسہ کما کے لا رہا ہے تو وہ فرشتہ ہے۔ تو ماں باپ کی نظر میں بھی تو معیار فقط دنیا بن گیا۔ نیک، تہجد گزار، دین دار بیٹے کو باپ کم نظر سے دیکھے گا جب کہ بے دین لیکن دنیا کمانے والے بچے کو عزت کے ساتھ دیکھے گا۔ اس لیے کہ دنیا کی عظمت دل میں ہے، اس لیے وہ اچھا لگتا ہے۔ تو ہم نے اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر لیا۔

یہ دنیا کی زندگی تو چند دن کی بات ہے، کب ختم ہو؟ پتہ ہی نہیں چلتا۔ چنانچہ ایک آدمی سے کہا گیا کہ مسجد آؤ تو کہتا ہے کہ جی مجھے تو مرنے کی فرصت نہیں، اور ابھی لوگ نماز پڑھ کر نہیں نکلے تھے کہ پہلے اس کو موت آ گئی۔ یہ کہتا تھا کہ مجھے مرنے کی فرصت نہیں، تو معلوم ہوا کہ ہم تو دنیا کے پیچھے دیوانے بن کے لگے ہوئے ہیں اور آخرت کمانے کی فکر ہی نہیں۔

صحابہ کو فکرِ آخرت:

صحابہ کا تو حساب ہی اور تھا، ان کی نظر میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ چنانچہ حدیث پاک میں ایک مشہور صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ایک دفعہ پھر آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ایک نوجوان آدمی نے اسلام قبول کیا، ان کا ایک باغ تھا، تو ذہن میں خیال آیا کہ میں اپنے باغ کے گرد دیوار بنا دوں، باؤنڈری وال کر دوں۔ ایک طرف تو دیوار سیدھی بن گئی لیکن دوسری طرف چند کھجوروں کے درخت تھے جو ہمسائے کے تھے۔ وہ ہمسایہ ایک بوڑھا آدمی تھا۔ انہوں نے کوشش کی کہ اس سے یہ درخت خرید لوں اور اپنی دیوار سیدھی کر لوں لیکن وہ بوڑھا آمادہ نہ ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے تو اس بوڑھے سے یہ درخت خریدنے کی بڑی کوشش کی ہے کہ بھئی! مجھے بیچ دو میری لائن سیدھی ہو جائے گی

مگر مجھے تو انہوں نے ہاں نہیں کی، آپ مہربانی فرمائیں، یہ معاملہ حل فرما دیں۔ نبی ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جو نیا مسلمان ہوتا تھا اس کی تالیف قلب فرمایا کرتے تھے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بوڑھے کو بلا لیا اور بلا کر ان کو کہا کہ بھائی یہ جو آپ کے چند درخت ہیں، یہ آپ ان کو بیچ دو تو ان کی لائن سیدھی ہو جائے گی۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ درخت بیچ دو تو اس صحابی نے یہ بات پوچھی کہ یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ چونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر حکم ہوا تو تسلیم اور اگر مشورہ ہوا تو انسان اپنی مرضی کر سکتا ہے تو پہلے پوچھ لیا۔

کچھ بوڑھوں کی باتیں:

یہ بوڑھے بھی عجیب ہوتے ہیں، ایک پیر صاحب کسی گاؤں میں تقریر کرنے گئے، تو تقریر سے پہلے ایک بوڑھا کھڑا ہوا، دیہاتی تھا، کہنے لگا:

پیر صاحب! ''اسی تے آں جاہل کوئی گل سمجھ وچ نہ آوے تے سوال پچھ سکدے آں؟'' (ہم جاہل ہیں اگر کوئی بات سمجھ نہ آئے تو پوچھ سکتے ہیں؟)

پیر صاحب نے کہا کہ ہاں بالکل پوچھ سکتے ہیں۔ تو بوڑھے نے پہلے ہی بنیاد باندھ لی کہ میں نے سوال پوچھنے ہیں۔ اس کے بعد پیر صاحب نے تقریر شروع کی تو تقریر کرتے کرتے انہوں نے نصیحت کی کہ نیک بنو! نیکی کرو! پل صراط سے گزرنا پڑے گا اور پل صراط تو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ جب انہوں نے یہ بات کی تو بوڑھے میاں کھڑے ہو گئے۔ کہتے ہیں:

''پیر صاحب! مینوں لگدا اے ایہہ کوڑ اے'' (مجھے لگتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے)

انہوں نے کہا کہ نہیں یہ کتابوں میں لکھا ہے، انہوں نے ریفرنس دیا کہ حدیث پاک میں ہے۔ تو جب انہوں نے یہ کہا کہ جی! کتابوں میں لکھا ہے، تلوار سے زیادہ

تیز اور بال سے زیادہ باریک۔ تو بوڑھا کہنے لگا:

''اچھا پیر صاحب اینج آکھو نا کہ اللہ سائیں دی پار لنگھاون دی نیت کائی نئیں''۔ کہ اگر بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز پل صراط ہے تو آپ یوں کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پار گزارنے کی نیت ہی نہیں ہے۔ پیر صاحب حیران کہ بوڑھے کو اب کیا کہوں؟ خیر انہوں نے پھر تقریر شروع کر دی۔ پھر انہوں نے کہا کہ گناہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو جہنم میں بھیجیں گے اور گناہوں کی سزا دینے کے بعد پھر جنت میں بھیجیں گے۔ جب یہ بات کہی تو بوڑھا پھر کھڑا ہو گیا، کہتا ہے:

''پیر صاحب! مینوں لگدا اے ایہہ وی کوڑ اے'' (یہ بھی جھوٹ ہے)

انہوں نے کہا: نہیں نہیں یہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ہر آدمی کا حساب ہوگا، اگر گناہ زیادہ ہوئے تو سزا ملے گی اور سزا ملنے کے بعد پھر اس کو جنت میں بھیجا جائے گا۔ کہنے لگا:

''پیر صاحب! ساڈے گھر کوئی مہمان آوے تے میں اوہنوں پنج ست لتر ماراں مڑ آکھاں کہ آ جا ککڑ کھا لے او کھا سیں؟'' (کہ اگر میرے گھر کوئی مہمان آئے اور میں اس کو پانچ سات جوتے لگاؤں اور پھر کہوں کہ آؤ بھائی مرغا کھا لو تو کیا وہ کھائے گا؟) ''جس نوں اللہ سائیں جنت وچ بھیجنا اے اوہنوں بھیج چھوڑنا اے'' (جس کو اللہ تعالیٰ نے بھیجنا ہے ویسے ہی بھیج دے گا)

خیر اب جو مریدین بیٹھے تھے وہ بڑے تپ رہے تھے کہ بوڑھے نے ہمارے پیر صاحب کے ساتھ کیا کیا؟ بیان ختم ہوا تو بوڑھے کو اندازہ ہو گیا کہ پیر صاحب اٹھ کر جائیں گے تو پیچھے مریدین میرے ساتھ دو دو ہاتھ کریں گے۔ تو اب وہ کھڑا ہوا اور معافی مانگنے لگا۔ تو پتہ کیسے معافی مانگی؟ کہنے لگا:

او پیر صاحب! میں ایویں بدبخت جیا بندہ آں، جاہل آں (میں بدبخت جاہل آدمی ہوں) حال تو میرا یہ ہے کہ بدبختی دریا کے پار جارہی ہو تو میں کہتا ہوں،'' کتھے وتی ایں میں تے اتھے کھلوتا آں'' (تم کہاں جارہی ہو میں تو یہاں کھڑا ہوں)۔ تو اس نے پیر صاحب کو بھی تھوڑا نارمل کر دیا اور مرید بھی کہنے لگے کہ ایسا ہی ہے، چلو چھوڑ دو۔

تو بوڑھوں کی بھی اپنی طبیعت ہوتی ہے، ماشاءاللہ! ایک صاحب، نوجوان تھے، کہنے لگے کہ جی میرے دادا کو نماز کی ترغیب دیں، ہم نے کہا کہ بہت اچھا۔ ان کی بیاسی سال کی عمر ہوگی، ہم کہیں بیٹھے تھے، تو میں نے تھوڑی دیر بات کی کہ آپ بوڑھے ہیں، فراغت ہے نماز پڑھ لیا کریں، اللہ راضی ہوتا ہے، دماغی سکون ملتا ہے، بڑی ترغیب دی۔ جب ترغیب دی تو بڑے میاں نے اپنے گھٹنے کو پکڑا اور کہتے ہیں، پیر صاحب! دعا کرو درد ہوتی ہے، یہ ٹھیک ہو جائے گی تو میں نماز شروع کر دوں گا۔ اب بیاسی سال میں گھٹنوں کی درد پہلے ٹھیک ہو تب نماز پڑھنی ہے۔

ایک بڑے میاں ڈاکٹر کے پاس گئے، ڈاکٹر صاحب! گھٹنے میں درد ہے۔ انہوں نے چیک کر کے کہا، میاں بڑھاپا ہے۔ اس نے دوسری ٹانگ پر ہاتھ رکھا، کہتا ہے عمر تو اس کی بھی اتنی ہی ہے۔ تو بوڑھے لوگوں کی اپنی ایک زندگی ہوتی ہے۔ ایک سوچ ہوتی ہے، اڑ جائیں تو بس کوئی ہلا نہیں سکتا، مانئے پہ آئیں تو جو چاہو منوالو۔

اصل بات:

خیر یہ تو درمیان کی باتیں تھیں، اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ ہوا یہ کہ جب نبی ﷺ نے فرمایا کہ بھائی یہ درخت ہے اس کو بیچ دو تو اس نے پہلے پوچھا کہ اللہ کے حبیب ﷺ! یہ آپ کا حکم ہے یا آپ کا مشورہ ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا مشورہ

ہے۔ اس نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر مشورہ ہے تو میں یہ درخت نہیں بیچتا۔ مقصد یہ تھا کہ ان درختوں کا پھل مجھے سوٹ کر گیا ہے، مجھے اچھا لگتا ہے، اب میں یہاں اپنے آخری دن گزار رہا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ جب اس نے نہ کر دی تو اللہ کے حبیب ﷺ نے پھر اس سے ایک دوسرے زاویے سے بات کی، فرمایا: اچھا! اگر تم ان کو بیچ دو گے تو میں جنت میں کھجور کے اتنے درخت ملنے کی تمہیں ضمانت دوں گا، جب نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں اتنے درخت اور ملنے کی ضمانت دوں گا۔ وہ کہتے ہیں: ویسے جنت میں تو جاؤں گا نا؟ فرمایا: ہاں! جنت میں تو جاؤ گے مگر اتنے درخت اور ملیں گے۔ کہتے ہیں:

لَاحَاجَةَ لِيْ

''جنت میں جاؤں گا تو مزید درختوں کی کوئی ضرورت نہیں۔''

لوجی یہ بات کہی اور بوڑھے میاں اٹھ کر واپس اپنے باغ میں آگئے۔ ایک صحابی اور بھی موجود تھے اس گفتگو کو سننے والے۔ وہ نبی ﷺ کے قریب ہوئے اور کہا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! یہ جو ابھی آپ نے بشارت سنائی ہے کہ اگر ان درختوں کو دے دیں تو اس کے بدلے جنت کے درخت ملیں گے تو یہ اسی بوڑھے کے لیے خاص ہے یا سب کے لیے ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب کے لیے، یہ جو صحابی تھے یہ قبا کے رہنے والے تھے اور ایک ہزار درختوں کا باغ ان کا بڑا مشہور تھا۔ اور اس میں اس طرح کی کھجوریں بھی لگی ہوئی تھیں۔ یہ اٹھ کر سیدھا اس بوڑھے کے پاس گئے جا کر بیٹھے، تھوڑی دیر بات چیت کی، طبیعت کے اندر موانست پیدا کی کہ وحشت ختم ہو جائے۔ جب دیکھا کہ اب یہ بات کرنے کے موڈ میں ہے تو اب اس صحابی نے اس بوڑھے سے کہا کہ آپ کو پتہ ہے کہ وہ قبا میں ایک باغ ہے ایک ہزار درختوں کا اس

نے کہا کہ ہاں سنا ہے، مجھے پتہ ہے کہ اسی طرح کی کھجوریں وہاں بھی ہیں جو یہاں ہیں۔ اچھا اب میں بتاتا ہوں کہ میں اس باغ کا مالک ہوں، تو بڑے میاں حیران کہ اچھا وہ آپ کا باغ ہے! اب یہ کہنے لگے کہ اچھا میرے ساتھ ایک سودا کرلو۔ یہ درخت جو چند ایک ہیں یہ مجھے دے دو، وہ ہزار کھجوروں والا باغ آپ لے لو۔ اب بڑے میاں نے جب سوچا کہ جی ہزار کھجوروں کا باغ مجھے مل رہا ہے چند کھجوریں دینی پڑیں گی اور نسل بھی کھجوروں کی وہی ہے تو یہ تو بڑی ڈیل ہوگئی۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے جی میں آپ سے سودا کرتا ہوں، سودا کرلیا۔ وہ درخت یہ صحابی نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور پیش کرنے کے بعد واپس اپنے باغ میں آتے ہیں اور باغ میں آکر دروازے پر کھڑے ہوکر اپنی بیوی کو آواز لگاتے ہیں، او فلاں کی امی! فلاں کی امی! بات سنو! کہاں ہو؟ تو بیوی نے جواب دیا کہ خیر تو ہے آپ نے مجھے اس طرح دور سے آوازیں تو کبھی نہیں دیں، اندر کیوں نہیں آجاتے؟ تو فرمانے لگے کہ میں اندر نہیں آسکتا اس لیے کہ میں نے اس باغ کا سودا کرلیا ہے۔ تو بیوی نے پوچھا کہ سودا کیسے کیا؟ تو کہنے لگے کہ نبی ﷺ نے ضمانت دی ہے کہ اس باغ کے بدلے مجھے جنت کی چند کھجوریں اللہ تعالیٰ زیادہ عطا فرمائیں گے، اس پر میں نے یہ باغ کسی کے ہاتھ بیچ دیا۔ جب یہ بات کہی تو بیوی نے جواب دیا اللہ تیرا بھلا کرے، تو نے زندگی میں کبھی اتنا نفع بخش سودا نہیں کیا۔ اس نے بچوں کو لیا اور باغ سے باہر آگئیں، وہ سمجھتے تھے کہ جنت کی چند کھجوروں کا وعدہ، یہ ہزاروں کھجوریں اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں تو وہ آخرت کو ترجیح دیتے تھے، ہم دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمادیا:

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ (سورۃ الاعلیٰ: ۱۶، ۱۷)

''تم ترجیح دیتے ہو دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی تو اس سے بلند اور بہت بہتر ہے''

اب سوچیں کہ ہمیں تہجد کی توفیق نہیں، نفلوں کی توفیق نہیں، تسبیحات کی توفیق نہیں، مراقبے کی توفیق نہیں، جی ہم مصروف ہیں کاموں میں تو معلوم ہوا کہ دنیا کو اتنی (Prefrence) ترجیح دیتے ہیں اور آخرت کے لیے اتنا بھی ٹائم نہیں، تو ہم نے کون سا کام کیا جو کام یہود کرتے تھے کہ ہم نے اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر لیا۔ اس کو کہتے ہیں:

﴿ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ﴾

آٹھویں مثال

خالق کی بجائے مخلوق سے تعلق

ایک آخری مثال: ہم لوگوں سے بڑے تعلقات بنا کے رکھتے ہیں۔ کیوں؟ لوگ کہتے ہیں جی ضرورت کے وقت بڑے کام آتے ہیں۔ او جی! میرے بڑے دوست ہیں، میرے بڑے یار ہیں، جگری یار ہیں۔ فلاں کا عہدہ اتنا، فلاں کا کاروبار ایسا، فلاں کی فیکٹری ایسی، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سارے جو ہیں مشکل وقت میں ہمارے کام آئیں گے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مشکل وقت میں نظر کس کی طرف اٹھتی ہے؟ ...... دوستوں کی طرف۔ اور اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں کہ میرے بندو! میرے ساتھ تعلق ایسا جوڑو کہ تمہاری نگاہ اٹھے تو کس کی طرف جائے؟ اللہ کی طرف۔ اب مشکل پیش آئی تو دو رکعت نفل یاد نہیں آتے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر پہلے اللہ سے مانگیں، نہیں! اِدھر فون، اُدھر فون، نفل پڑھنے کے بجائے، اللہ کی طرف رجوع کرنے کے بجائے،

تہجد میں اٹھنے کے بجائے، ہم سارا دن دنیاداروں کے دروازے پر بھاگتے پھرتے ہیں، مدد لینے کے لیے تو ہم نے پھر اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر لیا۔

اب محبت کس کا حق ہے؟ اللہ رب العزت کا، دل میں محبت ہو تو کس کی ہو؟ اللہ رب العزت کی، محبوب حقیقی کی۔ وہ دل جو اللہ رب العزت سے محبت کرنے کے لیے دیا گیا تھا، اب اگر اس دل کے اندر مخلوق کی محبت بیٹھی ہوئی ہے، غیر محرم کی محبت بیٹھی ہوئی ہے، فلاں کی محبت بیٹھی ہوئی ہے تو ہم نے اس دل کو اعلیٰ سے بھرا یا ادنیٰ سے بھرا؟ مخلوق کی محبت دلوں میں ایسی بیٹھتی ہے کہ راتوں کو نیند آتی ہے نہ دنوں میں چین آتا ہے۔ بھاگ بھاگ کر فون کرتے ہیں، میسج کرتے ہیں، دین ایمان بن جاتا ہے۔ وہ دل جو اللہ رب العزت کی محبت کے لیے عطا کیا گیا تھا، آج اس دل میں مخلوق کی محبت اتنی بھر چکی کہ کسی دوسرے کے لیے اس میں کوئی جگہ نہیں۔ چنانچہ کتنے نوجوان ہیں، ہر وقت چلتے پھرتے ایک ہی خیال ان کے ذہن میں ہوتا ہے۔ کوئی خیالاتی بندہ بیٹھا ہوتا ہے یا کوئی خیالاتی عورت ہوتی ہے۔ اسی کی سوچ، اسی کی باتیں، اسی میں مگن، اسی کا خیال۔ نمازیں بھی پڑھتے ہیں، اچھے کام بھی کرتے ہیں اور اس مصیبت میں بھی پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں: کیا کریں اس کا خیال دل سے نکلتا ہی نہیں۔ اب اگر مخلوق کا خیال دل سے نکلتا نہیں اور خدا ہر وقت یاد رہتا نہیں تو پھر ہم نے اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ اختیار کر لیا: ۔

بتوں سے تجھ کو امید خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

اللہ سے امیدیں نہیں لگائیں، مخلوق سے امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں، اسی کو تو کفر کہتے ہیں۔ آج مخلوق کی وجہ سے انسان اللہ سے دور ہے۔ آنکھ قابو میں نہیں، سوچ

قابو میں نہیں، شرم گاہ قابو میں نہیں، ہر وقت غیر کو دل میں بسایا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ انٹرنیٹ کے اوپر بیٹھ کر ننگی تصویریں، موبائل میں ننگی تصویریں، نیک دیندار طالب علم تفسیر اور حدیث بھی پڑھنے والے اور موبائل کے اندر ننگی تصویریں، ایسے پوجتے ہیں جیسے کوئی خدا کو پوجتا ہے۔ یہ گناہ چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ اگر اتنا دل میں کسی کو بٹھالیا تو معلوم ہوا کہ اللہ کو چھوڑ کر مخلوق پر محبت کے جذبے کو فدا کر دیا:

﴿ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ﴾

وہ کتنا کریم پروردگار! وہ کتنا رحیم! کتنی نعمتیں عطا کرنے والی ذات ہے! ہم اس پروردگار کو بھول جاتے ہیں، مخلوق کے پیچھے بھاگتے ہیں۔

دنیا کی بھی حسرت آخرت کی بھی حسرت:

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ایک نوجوان کسی لڑکی کے عشق میں گرفتار اور دین سے بیزار ہو گیا۔ انہوں نے بلا کر سمجھایا اور فرمایا: خدا کے بندے! ایک پیشاب کے پیالے کی وجہ سے اپنے اللہ کے در کو مت چھوڑو۔ کیا وجہ ہوگئی کہ ایک پیشاب کے پیالے کی وجہ انسان اپنے رب کو چھوڑ بیٹھتا ہے، جو نفسانی تعلق ہوتا ہے وہ نہیں چھوڑتا۔ خدا کو چھوڑ دیتا ہے، نمازیں چھوٹ گئیں، تلاوت چھوٹ گئی۔ کئی نوجوانوں کو دیکھا قرآن پاک کا حفظ ختم ہو گیا۔ قرآن یاد کیا تھا، بدنظریوں کی وجہ سے بری عادتوں کی وجہ سے، غلط تعلقات کی وجہ سے اللہ نے دل سے قرآن ہی کو اٹھالیا۔

﴿ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ﴾

مخلوق کی محبت کیا کام آئے گی؟ دنیا کی بھی حسرتیں، آخرت کی بھی حسرتیں! قیامت کے دن انسان کہے گا:

﴿ يَا لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴾

”کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا“

اے کاش! میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، اس کی محبت نے اس کے تعلق نے مجھے دین سے بیگانہ کر دیا، مجھے رب سے دور کر دیا۔ تو آج اگر ہم اپنی خواہشات میں لگ کر، اللہ رب العزت کے راستے کو چھوڑ کر، مخلوق کے پیچھے بھاگتے پھر رہے ہیں تو ہم نے گویا اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کر لیا۔

اللہ کی شانِ کریمی:

اور اللہ رب العزت کتنے کریم ہیں! حق تو یہ تھا کہ اگر دلوں میں غیر کی محبت آتی تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے اپنے دروازے بند کر دیتے، دروازے سے دھکا بھی دلواتے اور اس کے پیٹھ پر پیچھے سے ایک لات بھی لگواتے کہ جاؤ دفعہ ہو! یہ دروازہ تیرے لیے بند ہو گیا، مگر اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتے۔ دلوں میں نفسانی محبتیں بھری ہوئی ہیں۔ انٹرنیٹ میں، فلموں میں، ڈراموں میں، میوزک میں، گانوں میں لگا ہوا بندہ ہے، اللہ تعالیٰ اس بندے کا بھی انتظار کر رہے ہیں کہ شاید میرا بندہ سمجھ جائے۔ اس کو بھی فرماتے ہیں: اے میرے بندے!

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾ (سورۃ انفطار:۶)

”اے انسان! تجھے کس نے تیرے کریم رب سے دھوکے میں ڈال دیا“

تیرے کریم پروردگار سے تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈالا، اللہ اس کو بلاتے ہیں، بوڑھا شخص، جس نے ساری زندگی گناہوں میں گزار دی، اب لاٹھی پکڑ کے لرزتا ہوا، کانپتا ہوا، اس حال میں اللہ کے در کی طرف آتا ہے، اس کو بھی طعنہ نہیں دیتے کہ تو اب تک کیا کرتا رہا؟ تیری جوانی کہاں گئی؟ تیرا مال کہاں گیا؟ تیرا حسن و جمال کہاں گیا؟ اب کیا رہ گیا ہے کہ تو اب میرے دروازے کی طرف آیا ہے۔ اللہ اس بوڑھے

کو بھی نہیں کہتے، اللہ کی رحمت کا تو یہ حال ہے۔

صمد اور صنم میں فرق:

اب صرف ایک بات کہہ کر یہ عاجز بات کو مکمل کر دیتا ہے۔ ایک بوڑھا تھا، جو صنم کی عبادت کرتا تھا۔ چنانچہ

كَانَ فِيْ بِلَادِ هِنْدٍ شَيْخٌ كَبِيْرٌ يَعْبُدُ صَنَمًا دَهْرًا طَوِيْلًا يَحْصُلُ لَهُ أَمْرٌ مُهِمٌّ فَاسْتَغَاثَ بِهٖ وَلَمْ يُغِثْ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا الصَّنَمُ ارْحَمْ عَلٰى ضُعْفِيْ، فَقَدْ عَبَدْتُكَ دَهْرًا طَوِيْلًا فَلَمْ يُجِبْهُ فَانْقَطَعَ ذَالِكَ الرَّجُلُ مِنْهُ فَنَظَرَ إِلَيْهِ بِنَظَرِ رَحْمَةٍ فَخَطَرَ عَلٰى قَلْبِهٖ أَنْ يَدْعُوَ صَمَدًا...... رمق في قلبه لحمر فَقَدْ وَقَعَ فِيْ خَجَلٍ فَقَالَ يَا صَمَدُ فَسَمِعَ صَوْتًا مِنَ الْهَوَاءِ يَقُوْلُ لَبَّيْكَ يَا عَبْدِيْ أُطْلُبْ مَا تُرِيْدُ فَأَقَرَّ اللّٰهَ بِالْوَحْدَانِيَّةِ فَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ رَبَّنَا دَعَا صَنَمَهٗ دَهْرًا لَمْ يُجِبْهُ وَدَعَاكَ مَرَّةً وَاحِدَةً فَأَجَبْتَهٗ فَقَالَ يَا مَلَائِكَتِيْ دَعَا الصَّنَمَ وَلَمْ يُجِبْهُ فَدَعَا الصَّمَدَ وَلَمْ أُجِبْهُ فَأَيُّ فَرْقٍ بَيْنَ الصَّنَمِ وَالصَّمَدِ

''ہند میں ایک بوڑھا آدمی تھا بہت مدت ایک بت کی پوجا کرتا رہا'' پھر اس کو ایک مشکل پیش آگئی۔ اب جب مشکل پیش آتی ہے تو خدا یاد آتا ہے، لہٰذا وہ اپنے بت کے پاس گیا۔ اس سے مدد مانگی، اس نے کہا: اے میرے صنم! میرے بڑھاپے اور کمزوری پر رحم کر، میں نے زندگی کا اتنا لمبا عرصہ تیری عبادت کی، اب اس مشکل میں میری مدد کر مگر کوئی جواب نہ ملا، اس نے کیا مدد کرنی تھی؟ چنانچہ اس کی امیدیں اس سے ٹوٹ گئیں، اور اس کے دل میں خیال آیا کہ میں صنم کی بجائے صمد کو کیوں نہ پکاروں؟ صمد اللہ کا نام ہے۔ آسمان کی طرف اس نے نگاہ اٹھائی، دل میں اس کے

ندامت ہوئی کہ ساری زندگی اس نے بت کے پیچھے برباد کر دی جو کوئی اس کا جواب نہیں دیتا، اب وہ صمد کی طرف متوجہ ہوا، اور اس نے پکارا: اے صمد! اللہ کو پکارا۔ اس نے جواب میں آواز سنی کہ اے میرے بندے! لبیک میں حاضر ہوں مانگ تو کیا مانگتا ہے؟ اللہ اکبر کبیرا جب اللہ رب العزت نے اس کو جواب دیا تو ملائکہ نے پوچھا: اس بندے نے ساری زندگی بت کی پوجا کی اور بت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک مرتبہ اس نے آپ کا نام لیا، اس نے یا صمد پکارا، آپ نے فوراً جواب دے دیا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: اے میرے فرشتو! اس نے بت کو پکارا تو بت نے جواب نہیں دیا اور اس نے صمد کو پکارا تو اگر میں بھی اس کو جواب نہ دیتا، تو پھر صمد اور صنم میں کیا فرق رہ جاتا؟ کتنا کریم پروردگار ہے! زندگی بھر انسان گناہ کرتا پھرے، پھر اگر توبہ کرنے پر آئے تو پھر اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں۔ اب ذرا سوچیے ان پیشاب کے لوٹوں کے پیچھے اپنے کریم رب کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، اپنے رب کے راستے سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں، اس دنیا کی خاطر، اس پیٹ کی خاطر اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کے پیچھے بھاگتے ہیں تو معلوم ہوا:

﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ﴾

”اگر یہ علامت ہمارے اندر ہے تو معلوم ہوا کہ یہود بے بہود کی یہ بری عادت ہمارے اندر موجود ہے۔“

ہم توبہ کرتے ہیں:

آج ہمیں سچی توبہ کرنی چاہیے، یا اللہ! ہم ادنیٰ کو چھوڑیں گے اعلیٰ کو پسند کریں گے، اللہ مخلوق کو چھوڑ کر آپ سے محبتیں کریں گے، میرے مولیٰ! محبتوں کے لائق آپ ہیں، آپ کی شان ہے۔ آپ اتنے کریم ہیں، اتنے عظیم ہیں کہ ہم سے کوتاہی ہوئی،

غفلت ہوئی۔ آج اس بات کا احساس ہوا اے کریم آقا! ہمیں اپنے در سے دھکا نہ دے دینا، ہم سے خفا نہ ہو جانا، ناراض نہ ہو جانا۔ اے کریم! ہم آپ کی عظمتِ شان کو سمجھتے ہیں کہ آپ جب دھکا دے دیتے ہیں، اس بندے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ اللہ کا وہ بندہ گھر بیٹھے بٹھائے ذلیل ہو جاتا ہے۔ انسان کسی کو چہرہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا، میرے مولیٰ! ہم اس پکڑ میں آنے سے پہلے پہلے توبہ کرتے ہیں، اللہ! ہماری توبہ کو قبول کر لیجیے اور ہم پر رحمت کی نظر فرما دیجیے۔ اے اللہ! آج ہمارے لیے گناہ چھوڑنا مشکل ہیں، تو آپ کے لیے تو چھڑوا دینے آسان ہیں، میرے اللہ! ہمیں گناہوں کی ذلت سے نکال دیجیے اور ہمیں اپنے راستے کے اوپر چلا دیجیے اور اپنا تعلق عطا فرما دیجیے۔ اللہ رب العزت آج کی اس مجلس میں ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے اور ہمیں اپنے پسندیدہ اور مقبول بندوں میں شامل فرمائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿ فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴾

(ذاریات:۵۰)

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے

بیان: محبوب العلما والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 27 فروری 2011ء بروز اتوار ۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

بمقام: میک اینڈ ریئر فیکٹری لاہور

اقتباس

اسی طرح ایک ہوتا ہے مسلمان اور ایک ہے پر جوش مسلمان۔ مسلمان تو ہمارے جیسے کہ کلمہ بھی پڑھ لیا لیکن نمازیں بھی قضا ہو رہی ہیں، جھوٹ بھی بول رہے ہیں، غیبت بھی کر رہے ہیں، حسد بھی کر رہے ہیں، غصہ بھی قابو میں نہیں، مشکوک قسم کی چیزیں بازار میں کھالیتے ہیں، کہنے کو مسلمان ہیں۔

با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

میوزک بھی سنتے ہیں، ڈرامے بھی دیکھتے ہیں، گانے بھی سنتے ہیں، انٹرنیٹ کی مصیبت بھی ہے مگر کلمہ پڑھا ہے اس لیے مسلمان ہیں۔ کوئی پوچھے تو کہتے ہیں: میں مسلمان ہوں، بچے بھی مسلمان ہیں لیکن گھر کے ماحول کو دیکھو تو یورپ کا ماحول زیادہ غالب نظر آتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

﴿فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (ذٰریٰت:۵۰)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

عام طالب علم اور پر جوش طالب علم میں فرق:

ایک ہوتا ہے عام طالب علم اور ایک ہے پر جوش طالب علم، دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ طالب علم ہر اس لڑکے کو کہتے ہیں جس نے ماں باپ کے کہنے پر سکول کالج یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ مگر بعض اوقات اس کا اپنا میلان (Level of Interest) بہت تھوڑا ہوتا ہے، اس کو پڑھائی کے سوا باقی ہر چیز اچھی لگتی ہے۔ دوستیاں لگاتا ہے، کھیلنے کا شوق ہے، موٹر سائیکل پہ گھومنا اس کا مشغلہ ہے۔ جب نتیجہ امتحان کا نکلتا ہے تو سپلی آتی ہے یا مشکل سے پاس ہوتا ہے۔ ماں باپ کو اسے مشکل سے سمجھانا پڑتا ہے، ٹیوشن بھی رکھ کے دیتے ہیں، سکول کالج کی فیسیں بھی دیتے ہیں مگر بچہ پڑھائی میں دلچسپی نہیں لیتا، یہ ہے عام طالب علم۔

اور ایک ہوتا ہے پر جوش طالب علم، یہ وہ نوجوان ہے جس کے اپنے اندر علم کو حاصل کرنے کا شوق ہے۔ اس کو علم کی ایک نہ بجھنے والی پیاس، نہ ختم ہونے والی بھوک

ہوتی ہے، یہ متلاشی ہے جیسے گم شدہ چیز کو کوئی تلاش کرتا ہے، یہ علم کی باتوں کو ایسے تلاش کرتا ہے۔ حالات سازگار نہیں ہوتے، وسائل نہیں ہوتے، مجبوریاں ہوتی ہیں، رکاوٹیں ہوتی ہیں، مگر یہ علم حاصل کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ ایسے طالب علم ہوتے ہیں، اس کی کئی مثالیں ہیں۔

دکاندار لڑکا ایس ڈی او کیسے بنا؟

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے، ہمارے محلے میں ایک نوجوان تھا میٹرک کے امتحان میں اس نے اچھے نمبر حاصل کیے، اس کا جی چاہتا تھا کہ میں کالج میں ایف ایس سی کروں اور انجینئر بنوں مگر اس کے والد نے اس کو منع کر دیا۔ وہ ماں باپ کا ایک ہی بیٹا تھا اور بڑھاپے کی اولاد تھا، شادی کے پچیس تیس سال کے بعد اس کی ولادت ہوئی، جب یہ اس عمر کو پہنچا تو ماں باپ بوڑھے ہو گئے تھے۔ والد نے کہا کہ بیٹا میں مزدور پیشہ آدمی ہوں اور اب بیمار بھی ہو گیا ہوں، میں تیرے تعلیمی اخراجات برداشت نہیں کر سکتا، البتہ اب تمہیں چاہیے کہ تم ہمیں سپورٹ کرو۔ بچے نے وقت کی اہمیت کو سمجھا، تقاضے کو سمجھا، اس نے والد کی بات مان لی۔ پوچھا: ابو! میں کیا کروں؟ مزدوری کر نہیں سکتا، کسی چلانا، وزن اٹھانا، میرے بس میں نہیں، شہر کا رہنے والا ہوں۔ تو والد نے کہا کہ گھر کی بیٹھک میں کریانے کی دکان کھول لو۔ چنانچہ ستر کی دہائی کی بات ہے، والد نے اپنی زندگی کی جمع پونجی خرچ کر کے، کوئی تین سو روپے کا میٹیریل منگوا کر اس کو دیا اور بچے نے محلے میں دکان کرنی شروع کر دی۔ کیونکہ محلے داروں کو اس کی صورت حال کا اندازہ تھا تو وہ بھی بازار جانے کی بجائے اس سے چیز خریدتے اور اس بچے کی بکری ہو جاتی۔ پھر اس نے اور زیادہ مال ڈالا حتیٰ کہ وہ محلے کا ایک مِنی مارٹ بن گیا، خوب اچھی دکان اس کی چل پڑی۔

جب اس کے پاس کچھ پیسے بھی ہو گئے تو اس کے دل میں شوق انگڑائیاں لینے لگا کہ میں نے ایف ایس سی کرنی ہے۔ اس نے ایف ایس سی کی سیکنڈ ائیر کی کتابیں کسی طالب علم سے خریدیں اور دکان پر بیٹھ کر جب کوئی گاہک نہ ہوتا تو وہ کتابیں پڑھتا۔ ایک دن اس کے والد نے اسے دیکھ لیا، اس نے کہا: بیٹے! تمہارا دکانداری کی طرف تو دھیان ہی نہیں ہے، اب تم کتابوں میں الجھے ہوئے ہو تم کیا دکانداری کرو گے؟ اب اس بچے نے والد کے سامنے پڑھنا بھی بند کر دیا۔ البتہ ایک بار اس نے والد سے کہا: ابو! میں عصر کے بعد جب دکان بند کروں گا تو اس وقت میں بات چیت کرنے اور کھیلنے کودنے کے لیے اپنے دوست کے پاس جاؤں گا۔ والد نے اس کو اجازت دے دی۔ تو اس نے ایک کالج کا لڑکا جو ایف ایس سی کا طالب علم تھا اور سمجھدار سٹوڈنٹ تھا، اس کے ساتھ دوستی لگا لی۔ سارا دن دکان کرتا، شام کو اس کے پاس جاتا اور پوچھتا کہ آپ کو پروفیسر نے کیا پڑھایا؟ اور وہاں بیٹھ کر وہ اس کے ساتھ جوائنٹ سٹڈی کرتا اور یوں اس بچے نے والدین کی آنکھوں سے اوجھل ایف ایس سی کی تیاری شروع کر دی۔ ایک وقت آیا کہ اس نے کورس کمپلیٹ کر لیا اور اس نے کالج کے ایک پروفیسر سے بات کی کہ یہ میرے حالات ہیں اور یہ میرے جذبات ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ایف ایس سی کے امتحان میں بیٹھوں تو آپ کالج کے پرنسپل سے اجازت لے دیجیے۔ تو اس نے پرنسپل صاحب سے بات کی کہ آپ بچے کا امتحان لے لیں اگر اچھے نمبر لے تو اس کا داخلہ بھیج دیں اور حاضری کی جو شرط (Condition) ہے اس کو نظر انداز کر دیں۔ انہوں نے اسلوکے کا امتحان لیا تو وہ بڑا شائن بچہ نکلا، انہوں نے داخلہ بھیج دیا۔

جب امتحان کا وقت آیا تو اب اس بچے نے اپنے والد سے یہ کہا کہ مجھے ایک ہفتہ بازار جانا پڑے گا، چیزوں کی خریداری کے لیے تو ابو دن میں چار پانچ گھنٹے آپ

میری جگہ دکان پر بیٹھیں اور میری معاونت کریں۔ والد نے کہا کہ بالکل ٹھیک۔ یہ صبح وہاں سے اپنی بوری لیتا اور بازار میں ایک دوست دکان دار کے حوالے کرتا اور چیٹ دے دیتا کہ یہ یہ چیزیں اس میں ڈال کر رکھنا اور میں آتا ہوں اور یہ بچہ سیدھا کالج پہنچتا اور وہاں جا کر ایف ایس سی کے پیپر دیتا۔ اس طرح اس نے دکان داری کے ساتھ ساتھ ایف ایس سی کے پیپر دیے۔ اللہ کی شان کہ جب نتیجہ نکلا تو یہ پورے بورڈ کے اندر سیکنڈ آ گیا۔ اخبار میں خبر چھپی، محلے والے اس کے والد کو مبارک باد دے رہے ہیں کہ آپ کا بیٹا تو بورڈ میں سیکنڈ آ گیا۔ اس نے کہا کہ میرا بیٹا تو دکان دار ہے...... انہوں نے کہا نہیں نہیں، ہم نے خود خبر پڑھی ہے۔ اس نے کہا: کسی نے غلط خبر چھاپ دی ہوگی۔ والد کو یقین نہیں آتا تھا۔ پھر جب اس کو پتہ چلا کہ بچے نے اس طرح ترتیب بنا کر امتحان دے دیا، تو والد خاموش ہو گیا۔ چونکہ اس کے نمبر بہت زیادہ تھے تو ایک تو اس بچے کو گورنمنٹ کا سکالرشپ مل گیا دوسرا اس نے اپلائی کیا تو کریسنٹ فاؤنڈیشن کا سکالرشپ تھا وہ بھی مل گیا۔ محلے کے چند لوگوں نے اس کے والد کو سمجھایا کہ آپ کو تو مہینے کے خرچے کی ضرورت ہے، وہ ایک سکالرشپ اگر آپ کو دے دیں تو آپ کا مہینے کا خرچہ چلتا ہے۔ لہٰذا بچے کو دکان پر بٹھانے کی بجائے یونیورسٹی میں داخلے کی اجازت دے دیں، دوسرے سکالرشپ سے یہ یونیورسٹی کے اخراجات کو پورا کر لے گا۔

اس طرح اس بچے نے یونیورسٹی سے بی ایس سی انجینئرنگ کی اور پھر وہ ایس ڈی او لگا۔ اسی شہر کے اندر اب ایس ڈی او لگا تو اس کو گاڑی بھی مل گئی، کوٹھی بھی مل گئی، اس کی شادی بھی ایک بڑے گھرانے کے اندر ہو گئی، وہ ماں باپ جو چند سو روپے بھی خرچ نہیں کر سکتے تھے اب وہ اس بچے کے ساتھ کار اور کوٹھی کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ یہ کہلاتا ہے ولنگ سٹوڈنٹ کہ اس کے دل میں شوق تھا وہ کر گزرے۔

عربی لیکچرار کی بیٹی ڈاکٹر بنی:

چنانچہ ہمارے عربی کے ایک پروفیسر تھے، ان کی بیٹی میٹرک کے اندر بہت اچھے نمبر لے کر پاس ہوئی۔ اس کا شوق تھا کہ میں لیڈی ڈاکٹر بنوں، شہر کے اندر جو ومنز کالج تھا اس میں سائنس کا شعبہ نہیں تھا اور اس وقت جو طالبات سائنس پڑھنا چاہتی تھیں وہ بوائز کالج کے اندر داخلہ لے لیتی تھیں۔ اس نے اپنے والد سے کہا کہ مجھے ایف ایس سی کرنی ہے، اس نے کہا کہ بیٹا میں نہیں چاہتا کہ بوائز کالج میں آپ پڑھیں۔ بچی سمجھدار تھی وہ باپ کی منشا کو سمجھ گئی۔ پھر اس نے کہا: ابو! میرے پاس سارا دن فارغ ہوتا ہے، آپ اگر مجھے ایف ایس سی کی کتابیں لے کر دے دیں تو میں کم از کم گھر میں پڑھتی رہوں گی۔ پروفیسر صاحب نے اسے ایف ایس سی کی پری میڈیکل کی کتابیں لے کر دے دیں۔ اب بچی جب پڑھتی تو اس کو بائی زوالوجی کی کئی باتیں سمجھ ہی نہ آتیں۔ اس نے کہا کہ ابو! مجھے کسی پروفیسر سے ٹیوشن رکھ کر دے دیں۔ اس نے کہا بیٹی! اگر کوئی عورت پڑھانے والی ہوتی تو میں آج ہی ٹیوشن رکھ کر دے دیتا، میں نہیں چاہتا کہ آپ کسی مرد سے پڑھیں۔ اب اس کی یہ امید بھی ختم ہو گئی۔ پھر بھی اس کو تیاری کرنے میں مشکل پیش آتی، تو اس بچی نے ترتیب کیا بنائی کہ وہ اپنے والد کو سوال لکھ کر دیتی کہ مجھے اس کی سمجھ نہیں آئی اور عربی کے پروفیسر بائی اور زوالوجی کے پروفیسر کے پاس جا کر اس سے سوال پوچھتے اور پروفیسر ان کو سمجھاتا، اب عربی کے پروفیسر کیا سمجھتے ہوں گے؟ لیکن استاد جو تھوڑے نوٹس لکھ دیتا جب والد لا کر اس بچی کو دیتے تو بچی اسی سے اس پوائنٹ کو کلیئر کر لیتی۔ اس طرح اس نے ایف ایس سی کی تیاری کی۔ امتحان دیا تو اتنے نمبر آ گئے کہ اسے فاطمہ جناح میڈیکل کالج جو ومن کالج تھا اس میں داخلہ مل گیا اور وہ بچی لیڈی ڈاکٹر بن کر زندگی گزارنے لگی۔ تو ایک

ہوتا ہے عام طالب علم، ایک ہوتا ہے پر جوش طالب علم (Willing Student) دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

ڈلیوری اور ڈگری ساتھ ساتھ:

ہمارے قریب کے محلے میں ایک بچی کی شادی ہوئی۔ اس بچی کو پڑھنے کا شوق تھا، ماں باپ نے شادی کر دی، رشتہ بہت مناسب مل گیا تھا۔ اب اس بچی کی شادی ہوگئی تو اس نے خاوند سے کہا کہ مجھے ایک شوق ہے پڑھنے کا، میں کالج کی اسٹڈی کو جاری رکھنا چاہتی ہوں۔ اس نے کہا کہ تمہیں گھر کے کام بھی کرنے ہیں، میری خدمت بھی کرنی ہے، اس کے علاوہ اگر وقت فارغ ہو تو پڑھ لینا۔ آج بھی یاد ہے مجھے کہ دو سال کے بعد اس کا پہلا بیٹا ہوا اور اس نے ایف۔ اے کلیر کر لیا اور پھر دو سال کے بعد دوسرا بیٹا ہوا، اس نے بی اے کلیر کر لیا اور پھر دو سال کے بعد اس کو بیٹی ملی اور اس بیٹی کے سال میں اس نے ایم اے پاس کر لیا۔ گھر کے کام بھی کر رہی ہے، سینا پرونا، کھانا پینا، خدمت جھاڑو سب کچھ اس کے ذمے تھا۔ وہ اپنے ساس سسر کی بھی خدمت کر رہی ہے، خاوند کی بھی ڈیوٹی دے رہی اور اس کے ساتھ بچوں کی بھی تربیت ٹھیک کر رہی ہے اور تین بچوں کے ساتھ اس نے ماسٹرز کی ڈگری بھی حاصل کر لی۔ تو اس کو کہتے ہیں پرجوش طالب علم (Willing Student)، وہ طالب علم جس کو علم کا شوق ہوتا ہے۔

دلہن ممتاز درجے میں کامیاب:

یہ واقعات تو آپ کو سکول کالج کے سنائے۔ اب ذرا دین کے بھی کچھ واقعات سن لیجیے۔

ایک بچی سلسلے میں داخل ہوئی، پوچھنے لگی کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ ہم نے کہا کہ آپ

کیا پڑھی ہوئی ہیں؟ اس نے کہا کہ جی میں نے بی اے کا امتحان دے دیا ہے۔ تو چار پانچ مہینے وفاق کے امتحان میں رہتے تھے، مشورہ دیا کہ آپ مدرسے میں داخلہ لے لیں، آپ اتنی ذہین ہیں کہ چار پانچ مہینے میں آسانی کے ساتھ یہ کورس مکمل کر سکتی ہیں۔ اس نے داخلہ لے لیا، معلمات نے اس کو ذرا خصوصی توجہ دی۔ پڑھایا تو بچی کی اچھی تیاری ہو گئی۔ ایک دن وہ بچی زار و قطار رونے لگ گئی۔ پرنسپل نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ میرے والدین نے امتحان کی ڈیٹ سے تین دن پہلے میری رخصتی کی تاریخ رکھ دی، اور سارا معاملہ طے کر دیا ہے، میں اس لیے رو رہی ہوں کہ میری محنت ضائع گئی۔ تو ہم نے اسے کہا کہ بھئی! یہ بتاؤ کہ شادی ہو کہاں رہی ہے؟ اس نے کہا: میری پھوپھی کا بیٹا ہے۔ تو سمجھ میں بات آ گئی کہ چونکہ قریبی رشتے داری ہے تو بندے کا پتہ تو ہوتا ہی ہے تو اتنی گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے کہا: آپ اپنی امی سے یہ کہیں کہ وہ ابھی آپ کو مدرسے میں پڑھنے دے اور رخصتی سے ایک دن پہلے آپ شادی کے لیے چلی جانا۔ اور جب رخصتی ہو جائے تو آپ اپنے میاں سے بات کرنا کہ میں عربی کورس کر رہی تھی، میرا سال ضائع ہو جائے گا، آپ اگر میرے ساتھ تعاون کریں تو میرا سال بچ سکتا ہے۔ وہ چونکہ اجنبی تو نہیں، رشتہ داری ہے تو امید ہے کہ وہ آپ کی بات کو مان لے گا۔ چنانچہ بچی نے کہا کہ امی کو تو میں منا لوں گی۔

اب رخصتی سے ایک دن پہلے وہ گھر گئی اور شادی کے بعد اس نے آ کر اپنی کہانی سنائی۔ کہنے لگی کہ میں گھر پہنچی تو سب رشتے دار لڑکیاں وہاں جمع تھیں، مہندی لگانے والیاں آئی ہوئی تھیں، سب کہنے لگیں کہ تم نے اتنی دیر کر دی مہندی لگانی ہے۔ میں نے اپنی امی سے کہا کہ امی مجھے سب کے سامنے شرم آتی ہے اوپر جو کمرہ ہے مجھے وہاں بٹھا دو۔ تو اوپر کمرے میں بٹھا کر میرے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگا دی گئی، میں نے اپنی چھوٹی بہن کو کہا کہ میں نے تمہیں فلاں قسم کی آئسکریم لے کر دوں گی تم تھوڑی

تھوڑی دیر کے بعد آتا اور میری کتاب کا صفحہ الٹ جاتا۔ ہاتھوں کو مہندی پاؤں کو مہندی لگی ہے اور میں یاد کر رہی ہوں ضرب یضرب ضربا فھو ضارب۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ آتی اور ورق الٹ جاتی، اس طرح میں نے اس رات بھی پڑھا جس رات کو میں دلہن بن رہی تھی۔ پھر اگلا دن رخصتی کا آ گیا، کہنے لگی کہ رخصتی کے وقت میرے ہاتھ میں بیوٹی بکس بھی تھا اور اس کے نیچے میں نے صرف ونحو کی کتابیں بھی رکھی ہوئی تھیں، جب رخصتی ہو گئی اور میں اپنے گھر میں گئی اور کھانے سے فارغ ہو کر سب چلے گئے تو میں اپنے گھونگھٹ میں اس وقت بھی نحو کی کتاب نکال کر بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ میاں آ گئے تو میں نے اپنی کتاب کو تکیے کے نیچے چھپا دیا۔

اب اگلا دن ہوا تو ناشتے کے وقت میں نے اپنے میاں سے بات کی کہ دیکھیں میرا ایک سال ضائع ہو جائے گا، آپ اگر میری مدد کریں تو میری یہ پرابلم حل ہو سکتی ہے۔ اس نے کہا کوئی مسئلہ نہیں۔ میں نے کہا کہ امتحان ہے پرسوں اور دلہن کے لیے دن کے وقت میں گھر سے غائب ہونا مشکل کام ہوتا ہے، محلے کی عورتیں آتی ہیں، برادری کی عورتیں ملنے آتی ہیں، وہ دیکھیں گی کہ دلہن گھر ہی نہیں ہے تو کیا ہوگا؟ اس نے کہا: اس کو میں سنبھال لوں گا۔ اس نے امی سے بات کی کہ امی میں نے دس دن کی چھٹیاں لی ہوئی ہیں، تو صبح ناشتے کے بعد موٹر سائیکل بھی ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو ذرا گھما پھرا کے لاؤں، تو ماں کیسے انکار کرتی؟ اس نے کہا کہ بیٹا لے جانا۔ وہ دلہن کو لیتا اور مدرسے میں آتا، وہاں پرنسپل صاحبہ نے ایک کمرے میں اس کی یونیفارم لٹکا دی تھی، وہ دلہن بنی ہوئی آتی، اپنے زیور اتارتی کپڑے بدلتی، یونیفارم پہنکر وہ امتحان میں بیٹھتی اور امتحان سے فارغ ہو کر پھر وہ اس کمرے میں آ کر دلہن بن جاتی۔ اس طرح شادی کے ابتدائی ایک ہفتے میں اس بچی نے امتحان دیا، ۸۰ پرسنٹ پلس نمبر لے کر ممتاز درجے کے اندر وہ پاس ہو گئی۔ اس کو کہتے

ہیں سٹوڈنٹ کہ جس کے اپنے اندر ایک شوق ہو کہ میں نے علم کو حاصل کرنا ہے۔

شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ میں علم کی سچی لگن:

قریب کے زمانے میں اگر دیکھیں حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے حالاتِ زندگی کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ میں جب دارالعلوم دیوبند پہنچا تو داخلے مکمل ہو چکے تھے۔ میں نے ناظمِ تعلیمات سے کہا کہ جی مجھے داخلہ دے دیں، انہوں نے کہا کہ بھئی! آپ لیٹ آئے، جتنے طلبا کو ہم داخلہ دے سکتے تھے ہم نے داخلہ دے دیا، اب داخلے بند ہیں۔ میں نے پوچھا کہ جی بند کرنے کی وجوہات کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس مطبخ کا انتظام نہیں ہے، نہ طباخ ہے اور نہ مطبخ ہے، جو بستی کے لوگ ہیں، ہر گھر والوں نے ایک یا دو طالبعلموں کا کھانا اپنے ذمے لیا ہوا ہے، اب محلے میں جتنے لوگ ان کو کھانا دے سکتے تھے وہ انہوں نے مقرر کر دیا، اب ایک بچے کے کھانے کی بھی مزید گنجائش نہیں تو ہم یہ ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ حضرت! کھانے کی ذمہ داری میری اپنی ہوگی بس آپ مجھے مشروط داخلہ دے دیں، داخلہ مل گیا۔

فرماتے ہیں کہ میں سارا دن استادوں کے پاس پڑھتا، جب رات کا وقت ہوتا تو استادوں کی اجازت سے میں مدرسے سے باہر نکلتا، تو اس وقت دیوبند کے اندر دو سبزی اور پھلوں کی دکانیں تھیں، میں وہاں جاتا، دکان کے سامنے امرود کے چھلکے، تربوز کے چھلکے، سیب کے چھلکے اور اس قسم کے چھلکے پڑے ہوئے ہوتے، میں ان کو اٹھا کے لاتا، دھو کر پاک صاف کر کے وہ چھلکے کھاتا۔ میں چوبیس گھنٹے میں ایک مرتبہ یہ کھانا کھاتا۔ سارا سال چھلکے کھا کر تو میں نے گزارا کر لیا، اپنے سال کی تعلیم کو میں نے بند نہ ہونے دیا۔ کبھی آپ نے سوچا کہ ایک طالب علم جو چھلکے کھا کر گزارا کر رہا ہے لیکن طلب

علم سے پیچھے نہیں ہٹ رہا، اس کو کہتے ہیں پرجوش طالبعلم (Willing Student)

بقیع الدین ابنِ مخلد رحمۃ اللہ علیہ میں علم کی تڑپ:

ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ گزرے ہیں بقیع الدین ابنِ مخلد رحمۃ اللہ علیہ۔ بڑے محدث تھے، اندلس کے رہنے والے تھے، اٹھارہ سال ان کی عمر تھی، جوانی تھی بھرپور جوانی۔ اب اس بھرپور جوانی میں ان کو علم کا شوق پیدا ہوا تو ان کو پتہ چلا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں ہیں اور بڑے محدث اور فقیہ ہیں۔ انہوں نے نیت کر لی کہ میں ان کے پاس جاؤں گا اور علم حاصل کروں گا۔ کہتے ہیں کہ میں ایک کشتی پر سوار ہوا، کشتی راستے میں طوفان میں گھر گئی تو کئی دن تک ہمیں سمندر میں رہنا پڑا، پھر راستہ بھی بھول گئے۔ جتنا متوقع ٹائم تھا، اس سے دوگنا ٹائم لگ گیا۔ نہ میرے پاس کھانے کو کچھ ہے، نہ پہننے کو، پھٹے سے کپڑے ہیں۔ اس حال میں، میں سمندر کے کنارے اترا کہ بیمار بھی تھا، کمزور بھی تھا، لیکن میرے دل کے اندر علم کا شوق بھرا ہوا تھا۔ بغداد کا بقیہ راستہ میں نے پیدل طے کیا۔ جب میں پہنچا تو چل چل کے تھک چکا تھا، ایک درخت کے نیچے میں لیٹ گیا اور آرام کیا، اٹھا تو سامنے شہر نظر آ رہا تھا، میں نے بغداد کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ایک بندہ ملا تو میں نے اس سے پوچھا کہ بھئی! امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ کیوں پوچھتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں ان سے علم حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اس نے کہا کہ نوجوان! مجھے افسوس ہے کہ تمہاری یہ بات پوری نہیں ہو سکتی۔ میں نے کہا کہ کیوں؟ کہنے لگا کہ حاکمِ وقت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی وجہ سے ناراض ہو گیا ہے، اس نے ان کا درس بھی بند کر دیا ہے اور ان کو گھر میں بھی نظر بند کر دیا ہے، اب تم ان سے مل بھی نہیں سکتے اور ان سے علم بھی نہیں حاصل کر سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ خبر بجلی کی طرح

میرے سر پر تکلیفوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، میں نے ہمت نہیں ہاری، میں شہر میں چلا گیا، وہاں جا کر ایک سرائے تھی، ایک ہوٹل تھا، اس میں میں نے ایک معمولی کمرہ کرائے پر لے لیا۔ میں سوچتا رہا کہ میں کیا کروں؟ میں نے سوچا کہ شہر میں کہیں تو درس ہوگا، چنانچہ اگلے دن عصر کی نماز کے بعد میں جامع مسجد میں گیا تو یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہ درسِ حدیث دے رہے تھے۔ یہ امامِ جرح و تعدیل کہلاتے ہیں اور اللہ نے ان کو حدیث کے جو راوی ہوتے ہیں ان کے بارے میں اسماء الرجال کا بڑا علم دیا تھا۔ انہوں نے حدیث کا درس دیا پھر اس کے بعد لوگوں نے ان سے سوالات پوچھنے شروع کر دیے۔ کہنے لگے کہ میں بھی کھڑا ہوا اور میں نے بھی ایک محدث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں، سچے بندے ہیں۔ اس کے بعد میں نے ان سے دوسرا سوال پوچھنا چاہا تو جو قریب کے لوگ تھے انہوں نے مجھے کہا کہ بیٹھ جاؤ یہاں کا دستور یہ ہے کہ اس مجلس میں ایک بندہ ایک سوال پوچھ سکتا ہے، ایک ہی بندہ سارے سوال پوچھے تو باقیوں کا کیا بنے گا؟ تم نے ایک سوال پوچھ لیا اب تمہاری باری ختم۔ میں نے ان کی منت سماجت شروع کر دی کہ میں پردیسی ہوں، مسافر ہوں، اتنی مشقتیں اٹھا کر آیا ہوں، مجھے اس ترتیب کا پتہ نہیں تھا، اگر پتہ ہوتا تو میں وہ سوال پوچھتا جو اصل میں میں نے پوچھنا تھا۔ لوگوں نے میرے اوپر ترس کھا کر مجھے اجازت دے دی۔ میں نے یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے دوسرا سوال پوچھا کہ آپ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جب میں نے یہ سوال پوچھا تو یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑی دیر کے لیے سر جھکا دیا اور پھر اس کے بعد ایک لمبی ٹھنڈی سانس لی اور فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں اور علم کی دنیا میں امیر المؤمنین ہیں، تو میری تسلی ہو گئی۔ اب میں واپس آیا اور میں نے سوچا کہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے علم کیسے حاصل کر سکتا ہوں؟ میں نے ایک

بندے سے کہا کہ تم مجھے ان کی رہائش دکھا سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں بھئی! پولیس والوں نے گلی سے گزرتے دیکھ لیا تو مجھے بھی سزا دیں گے اور تمہیں بھی۔ میں نے کہا: ہم دونوں گلی سے گزر جاتے ہیں اور گزرتے ہوئے تم آنکھ کے اشارے سے بتا دینا کہ یہ ان کا گھر ہے، بس اتنا بتا دینا۔ اس نے کہا کہ چلو ٹھیک ہے اتنا میں کر دوں گا۔

اب بقیع الدین ابن مخلد اٹھارہ سال کا نوجوان یہ اس گھر کو دیکھ لیتا ہے اور واپس اپنی جگہ پر آ جاتا ہے۔ اب بیٹھ کر سوچتا ہے کہ میں کیا کروں؟ تو اس کے ذہن میں ایک پلان (تجویز) آیا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کا کیا طریقہ ہے؟ کہتے ہیں کہ اگلے دن ایک لاٹھی میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑی اور اپنے گھٹنے کو کپڑے سے باندھ دیا جیسے کوئی زخم یا کوئی ایسی چیز ہوتی ہے اور ہاتھ میں میں نے کشکول پکڑ لیا اور ہوٹل سے باہر نکل کر میں نے بھیک مانگنی شروع کر دی۔ اس زمانے کا یہ دستور تھا کہ سائل اتنا کہتے تھے کہ اَجْرُکُمْ عَلَى اللّٰہِ کہ تمہارا اجر اللہ کے ذمے، تو پتہ چل جاتا تھا کہ یہ محتاج ہے۔ اب میں کہہ رہا تھا اَجْرُکُمْ عَلَى اللّٰہِ...... اَجْرُکُمْ عَلَى اللّٰہِ اور لوگ مجھے بھکاری سمجھ کر کوئی معاف کرنے کو کہہ دیتا، کوئی کچھ دے دیتا۔ میں شہر کی گلیوں میں بھیک مانگتا مانگتا، ایک ایسے وقت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر پہنچا جب ٹریفک اتنی نہیں تھی، لوگ آرام کر رہے تھے۔ میں نے زور سے آواز لگائی اَجْرُکُمْ عَلَى اللّٰہِ تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے دروازہ کھولا اور ان کے ہاتھ میں ایک درہم تھا جو وہ مجھے دینا چاہتے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے دروازہ کھولا میں نے کہا کہ حضرت! میں پیسے کا سائل نہیں میں علم کا سائل ہوں، میں آپ سے علم حاصل کرنا چاہتا ہوں، میں سنت کا متلاشی ہوں، مجھے جو سنت مل جاتی ہے میں عمل پیرا ہوتا ہوں۔ امام صاحب نے کہا کہ میرے پڑھانے پر تو پابندی ہے۔ میں نے کہا: حضرت! میں

اسی حال میں روزانہ آپ کے دروازے پر آ کر بھیک مانگوں گا آپ یہ سکہ اپنے پاس رکھیں آپ دروازہ کھولنا سکہ ہاتھ میں لے کر ہاتھ بڑھانا، اگر گلی میں کوئی نہ ہوا تو مجھے دو تین حدیثیں سنا دینا اور اگر کوئی ہوا تو میرے اس کشکول کے اندر آپ سکہ ڈال دینا میں چلا جاؤں گا۔ کہتے ہیں پورا سال میں نے اسی طرح بھیک مانگی، حقیقت میں تو مجھے علم حاصل کرنا تھا، کبھی ان سے تین حدیثیں سنتا کبھی زیادہ حدیثیں سنتا اور اس طرح میں نے علم کو ان سے حاصل کیا۔ حتی کہ پورا سال گزر گیا، سال کے بعد حاکم وقت فوت ہو گیا اور جو نیا حاکم آیا اس کو امام احمد رحمة الله عليه سے عقیدت تھی، اس نے ان کا درس دوبارہ شروع کروا دیا۔ کہتے ہیں جب امام صاحب نے بغداد میں درس دینا تھا تو لوگوں کا عجیب ہجوم تھا، میں بھی اس ہجوم وہاں پہنچا، امام احمد بن حنبل رحمة الله عليه کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمانے لگے کہ اس طالب علم کو میرے قریب کر دو، علم کا سچا طالب علم تو یہ ہے۔ تو ایک ہوتا ہے طالب علم، ایک ہوتا ہے پرجوش طالب علم دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اللہ اکبر کبیرا

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تلاشِ حق:

چنانچہ حدیث کی کتابوں میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی کہانی ان کی زبانی تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ یہ اصفہان کی ایک بستی تھی جس کا نام تھا جی، اس کے رہنے والے تھے اور ان کا والد آتش پرست تھا، اور بڑا لینڈ لارڈ تھا۔ ان کو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے اپنے بچے کو اس طرح پالا جس طرح گھر میں بچی کو پالتے ہیں۔ آنکھوں سے دور نہیں ہونے دیتے تھے، کہیں جانے نہیں دیتے تھے، بچے کے ہر ناز و نعمت کو وہ پورا کرتے تھے۔

کہتے ہیں جب میں ذرا بڑا ہوا تو میرے والد نے میرے ذمہ کام لگایا کہ آتش

کدہ کے اندر جو آگ جل رہی ہے یہ تم نے بجھنے نہیں دینی۔ میں دن بھی اس میں لکڑیاں ڈالتا اور رات میں بھی، میرا ایک ہی کام تھا۔ مجھے حق کی تلاش (In search of truth) تھی کہ سچ مل جائے، لیکن میں گھر سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ والد بیمار ہو گئے ان کی زمینوں کے حساب کتاب اور نگرانی کا معاملہ تھا، انہوں نے مجھے کہا بیٹا! تم ذرا جاؤ اور زمینوں کا حساب کتاب ذرا کر کے آؤ۔ کہنے لگے: میں اپنی زمینوں کی طرف جا رہا تھا کہ مجھے راستے میں ایک پادری ملا، اس کو دیکھ کر مجھے لگا کہ یہ بہت اچھے اخلاق والا آدمی ہے، میں نے سلام دعا کی، اس نے کہا کہ بھئی! ہم ابھی گرجے میں عبادت کریں گے، ٹائم ہے تو آ جاؤ، تو میں وہاں چلا گیا۔ انہوں نے جو آپس میں مل کر عبادت کی تو مجھے بہت اچھا لگا۔ اب میں روزانہ کھیت کی نگرانی کے لیے جاتا مگر وہاں پادری کے پاس جا کر دین کو سیکھتا تھا، حتیٰ کہ میں نے آتش کدہ کی آتش پرستی کو چھوڑ دیا اور میں عیسائی بن گیا۔ میرے دل میں شوق ہوا کہ مجھے علم حاصل کرنا ہے، انہوں نے کہا کہ ہمارے بڑے بڑے جو عالم ہیں، وہ شام میں رہتے ہیں، اگر تم شام چلے جاؤ تو تمہاری پیاس وہاں بجھ سکے گی، کہتے ہیں کہ میرے لیے یہ ایک بڑا فیصلہ (Dission) تھا، والد کو بتاتا تو وہ تو زنجیروں میں باندھ دیتے اور مجھے اگر جانا تھا تو سب کچھ چھوڑ کر جانا تھا۔ مگر میرے دل میں سچ کی تلاش اتنی تھی کہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مجھے شام جانا ہے، علم حاصل کرنا ہے۔ میں نے پادری سے کہا کہ اگر کوئی وہاں جانے والا قافلہ ہو تو جب وہ شہر سے نکلنے لگے تو بتانا میں گھر سے کسی طرح نکل آؤں گا اور شام چلا جاؤں گا۔ ایک قافلے والے مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور انہوں نے مجھے شام میں جا کر ایک پادری کے حوالے کر دیا، میں نے اس سے علم حاصل کرنا شروع کر دیا۔ مگر وہ بندہ خدا کا طالب نہیں تھا، وہ دنیا

کا طالب تھا۔ وہ لوگوں کو صدقہ اور خیرات کی ترغیب دیتا اور جب لوگ اس کو دیتے تو وہ لوگوں پر خرچ کی بجائے وہ مٹکوں کے اندر سونا اور چاندی جمع کر لیتا۔ مجھے اس بات سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ بندہ ٹھیک نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے دل میں سوچا کہ مجھے اگر کوئی اور بہتر بندہ ملے گا تو میں اس سے علم حاصل کروں گا۔ میں نے اس استاد کی خدمت بھی خوب کی، اللہ کی شان کہ وہ فوت ہو گیا۔ فوت ہونے سے پہلے میں نے پوچھا کہ میرا کیا بنے گا؟ میں نے دیس چھوڑا، گھر بار چھوڑا، وطن چھوڑا، ماں باپ کو چھوڑا اور علم حاصل کرنے کے لیے یہاں پہنچا اور مجھے علم بھی نہ ملا۔ اس نے مجھے کہا کہ ایک بستی ہے جس کا نام موصل ہے، جو وہاں کا پادری ہے وہ بڑا عالم ہے، میرے بعد تم وہاں چلے جانا۔

کہتے ہیں میں وہاں چلا گیا اس پادری کے پاس، میں نے اس کی بھی بڑی خدمت کی۔ وہ نیک آدمی تھا، اس نے مجھے نیکی سکھائی، زہد فی الدنیا سکھایا، اللہ کی محبت سکھائی اور میں اس کا سٹوڈنٹ بن کر بہت مطمئن تھا، مگر اللہ کی شان اس کی بھی وفات کا وقت آ گیا۔ اب میرے دل کے اوپر دہرا غم، اتنی مشکل سے اچھا ٹیچر ملا تھا، وہ بھی اب جدا ہونے والا ہے تو میں اس کے سامنے رویا، اور اس سے کہا کہ میرا تو یہ حال ہے اب میں علم کس سے حاصل کروں گا؟ اس نے مجھے کہا کہ ایک بستی ہے نصیبین تم وہاں چلے جاؤ، وہاں کا پادری بڑا عالم ہے، وہ تمہیں علم سکھائے گا۔

اس کے مرنے کے بعد میں اس استاد کے پاس گیا، وہ بھی نیک آدمی تھا، علم والا تھا، اس نے مجھے علم سکھایا مگر میری غمناک زندگی دیکھیے کہ وہ پادری بھی بیمار ہوا اور فوت ہونے کے قریب ہو گیا۔ اب میرے اوپر غم کے اوپر غم، صدمے پر صدمہ۔ تو میں نے پوچھا کہ اب میں کیا کروں؟ تو اس نے کہا کہ ایک بستی ہے عموریہ، تم وہاں

چلے جاؤ میرے بعد جو وہاں کا پادری ہے وہ تمہیں علم سکھائے گا، میں وہاں چلا گیا۔ اب میرا حال ایسا تھا جیسے کہ ایک بندہ صحراء کا سفر کر کے سخت پیاسا ہو اور ٹھنڈے پانی کا متلاشی ہو۔ میں نے اس کے سامنے جا کر اپنا دکھڑا بیان کیا کہ یہ یہ مشقتیں اٹھا کر میں نے زندگی کو کاٹا ہے مگر میرے تینوں استاد فوت ہو گئے۔ اس نے کہا: اچھا میں تمہیں علم سکھاؤں گا، میں نے پڑھنا شروع کر دیا۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ وہ بھی بیمار ہو گیا۔ فرماتے ہیں کہ اس کا بیمار ہونا میرے لیے بہت بڑا صدمہ تھا، میں بیٹھا رو رہا تھا، استاد نے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ میں نے کہا کہ میرے ساتھ یہ اوپر نیچے واقعات ہوئے ہیں، میں رو رہا ہوں کہ آپ فوت ہو گئے تو میرا کیا بنے گا؟ س نے کہا کہ میں تمہیں مستقل حل بتاتا ہوں کہ کسی پادری کے پاس جانے کی بجائے، تم اس ہستی کے پاس جاؤ جو پیغمبر آخر الزمان ہوں گے۔ وہ ایک ایسی بستی میں ہوں گے جو خشک پہاڑوں میں ہے مگر اس میں کھجوروں کے باغ ہوتے ہیں، نام اس کا یثرب ہے۔ اور اس ہستی کی یہ نشانیاں ہوں گی کہ وہ صدقے کا مال نہیں کھائیں گے، ہدیہ کو وہ استعمال کر لیں گے اور ان کی پشت کے اوپر مہر نبوت ہوگی۔ اگر تمہیں وہ مل گئے تو پھر تمہیں کسی اور کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ کہہ کر وہ پادری فوت ہو گیا۔

منزل کا نشان تو بتا دیا تھا مگر شام اور سعودی عرب میں کتنا لمبا فاصلہ ہزاروں میل کا، میں تو نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے بکریاں پال لیں، میری بکریوں میں ایسی برکت ہوئی کہ وہ کافی ساری ہو گئیں۔ ایک دن مجھے ایک قافلہ ملا، قافلے کا نام تھا بنی قلب، انہوں نے بتایا کہ ہم یثرب سے قریب رہنے والے ہیں، تجارت کے لیے آئے ہیں واپس جا رہے ہیں۔ نے کہا کہ میری بکریاں بھی آپ لے لو اور اس کے بدلے میں آپ مجھے وہاں تک لیتے جاؤ۔ میں نے بکریاں دے دیں اور ان کے ساتھ ہو گیا۔

اب انہوں نے جب دیکھا کہ یہ نوجوان ہے اور بے آسرا ہے اور کوئی اس کا واقف بھی نہیں تو ان میں سے ایک بندے نے بدعہدی کرتے ہوئے ایک یہودی کے ہاتھ مجھے فروخت کر دیا کہ یہ میرا غلام ہے اسے لے لو۔ کہتے ہیں: یہودی نے پیسے دے دیے اور کہنے لگا کہ اب تم میرے غلام ہو۔ اب میں بڑا پریشان، میں آزاد ماں باپ کا بیٹا اور یہاں آ کر غلامی، میں نے اس کو بھی قبول کر لیا، اس امید کے ساتھ کہ کبھی تو میری ان سے ملاقات ہوگی جو مجھے علم سکھائیں گے۔ اس کا کھجوروں کا باغ تھا، مجھے کہا کہ تم نے اس میں کام کرنا ہے، کھجوروں کا خیال رکھنا ہے، اس کو توڑنا ہے، اس کو سکھانا ہے، میں سارا دن گدھوں کی طرح کام میں لگا رہتا تھا۔

ایک دن میں درخت کے اوپر چڑھا اور خوشے توڑ رہا تھا کہ اس یہودی کا ایک کزن آیا، آ کر کہتا ہے کہ تم نے سنا ہے، یہ جو نیا معاملہ ہوا؟ اس نے پوچھا کیا؟ کہنے لگا کہ ایک شخص ہے جو مکے سے چل کر مدینہ آیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور جو غریب لوگ ہیں وہ اس کی بات مانتے جا رہے ہیں تو مدینہ کے اندر ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ کہنے لگے کہ جب میں نے یہ الفاظ سنے تو میرا دل اتنا تڑپا کہ میں نے نیچے اترنے کی بجائے کھجور کے اوپر سے ہی چھلانگ لگا دی اور اس کے پاس جا کر کہا کہ انکل آپ کیا بات کر رہے ہیں؟ میرے مالک نے مجھے زور کا تھپڑ لگایا، اس نے کہا: چل جا کر اپنا کام کر تجھے ان باتوں سے کیا مطلب؟ کہنے لگے میں تھپڑ کھا کر پھر آ کر اپنے کام میں لگ گیا۔

ہفتے میں ایک دن مجھے چھٹی ہوا کرتی تھی، اب میں اس انتظار میں تھا کہ کب چھٹی کا دن آئے اور میں شہر جاؤں اور وہاں اس ہستی سے ملوں جس سے مجھے علم حاصل ہوگا۔ کہتے ہیں کہ پھر وہ دن آ گیا، کیونکہ استاد کی بتائی ہوئی نشانیاں معلوم تھیں،

میں نے کچھ کھجوریں اپنی ساتھ لیں اور کچھ پیسے لیے اور میں لے کر گیا اور جا کر ان سے ملاقات کی۔ میں نے کہا کہ جی یہ صدقہ کی کچھ کھجوریں ہیں، آپ قبول کر لیں، انہوں نے لے لیں لیکن خود نہیں کھائیں، ساتھیوں کو کہا کہ بھئی! آپ لوگ کھالو۔ اب ایک نشانی پوری ہوگئی، اگلے ہفتے میں پھر کھجوریں لے کر گیا، اب کے جا کر میں نے کہا کہ یہ کچھ کھجوریں ہیں، آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ انہوں نے وہ خود بھی کھائیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلائیں، دوسری نشانی بھی پوری ہوگئی۔ اور جب میں تیسرے ہفتے گیا تو میں نے دیکھا کہ ان کے ساتھی موجود ہیں اور وہ ایک چادر لپیٹے اور ایک تہبند باندھے جنازہ کی نماز پڑھنے کے لیے آئے ہیں۔ جب جنازے کی نماز پڑھائی تو میں نے ان کے پیچھے سے تھوڑا کپڑا اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی تو وہ مسکرائے، کہنے لگے! اچھا! مہر نبوت دیکھنا چاہتے ہو؟ یہ میری مہر نبوت ہے۔ جب تیسری نشانی پوری ہوئی تو میں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

اب میرا دل انکار رہتا کہ کب چھٹی ملے اور میں اپنے آقا فخر دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں جاؤں۔ میں پورا ہفتہ انتظار کرتا تھا، جب چھٹی کا دن آتا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ دن گزارتا، اب میرے لیے جدائی برداشت کرنا مشکل تھی۔ میں نے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میری سٹوری ہے اور ان مشقتوں کو اٹھانے کے بعد میں آپ تک پہنچا ہوں، میرے لیے کیا صورت بنے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ دیا کہ اپنے مالک سے جا کر کہو کہ میں آزاد ہونا چاہتا ہوں جو قیمت آپ چاہتے ہیں وہ میں ادا کروں گا، جو بھی وہ کہے اس کی ہر شرط کو مان لینا، میں نے جا کر بات شروع کی، وہ مسکرایا کہ تم کہاں دے سکو گے؟ میں نے کہا: آپ جو طے کریں گے میں دوں گا۔ اس نے کہا: تیس اوقیہ سونا، میں نے کہا: اچھا

اور، اس نے کہا: تین سو کھجوروں کے درخت لگاؤ، جب وہ کھجوریں پھل دیں گی تب تمہیں آزاد کروں گا۔ اب اپنی طرف سے اس نے big deel (بڑا سودا) کیا کہ ایک تو اتنی قیمت رکھی جو یہ دے ہی نہیں سکتا اور اگر دے بھی دے تو کھجور کا لگنا اور ان کا جوان ہو کر پھل دینا، پانچ چھ سال تو اس میں لگ جاتے ہیں، تو اس کا مطلب ہے آٹھ دس سال یہ کہیں نہیں ادھر ادھر ہوتا۔

میں نے آ کر نبی ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! اس بات پر میری اس کے ساتھ ڈیل ہو چکی۔ اسی مجلس میں ایک بندہ آیا، اس نے آ کر نبی ﷺ کو سونے کی ایک ڈلی پیش کی، نبی علیہ السلام نے کہا: سلمان! یہ لے جاؤ اور اپنے مالک کو کہو کہ اس کو تول لے۔ کہتے ہیں کہ میں گیا اور اس کو سونے کی ڈلی دی تو جب اس نے تولہ تو پورے تیس اوقیہ، وہ بڑا حیران ہوا کہ اتنا جلدی اس نے پے منٹ کر دی۔ پھر اس نے کہا کہ چلو اب تم تین سو درخت تو لگاؤ نا۔ پھر میں نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، اے اللہ کے حبیب ﷺ! اب تین سو درختوں کا معاملہ ہے، فرمایا کہ تم پودے اکٹھے کر رکھنا اور میں آ کر خود اپنے ہاتھوں سے لگاؤں گا۔ چنانچہ اللہ کے حبیب ﷺ تشریف لائے اور آپ نے آ کر اس کھیت کے اندر پودے لگائے۔ اللہ کی شان کہ ایک سال میں وہ کھجوریں اتنی بڑھیں کہ دوسرے سال انہوں نے پھل لے لیا۔ اب جب تین سو کھجوروں نے پھل لے لیا تو یہ آزاد ہو گئے۔ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اے اللہ کے نبی ﷺ! اب میں حاضر ہوں مجھے دین سکھایئے، نبی ﷺ نے ان کو اصحاب صفہ کا مانیٹر بنا دیا۔ یہ وہاں رہتے تھے، روکھا سوکھا جو ملتا تھا، کھا لیتے تھے، مگر دین سیکھتے تھے۔ اب ان کی یہ محبت اللہ کے ہاں ایسی قبول ہوئی کہ نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا:

اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَهْلُ الْبَیْتِ

”کہ سلمان میرے اہل بیت میں سے ہے“

جس بندے نے اپنے والدین کو، رشتے داروں کو اللہ کے لیے چھوڑ دیا تھا، اللہ کتنے قدردان ہیں کہ آج اس کو نبی ﷺ کے اہلِ بیت میں شمولیت عطا فرمائی۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت چند بندوں کی مشتاق ہے کہ وہ کب میرے اندر آئیں گے۔ فرمایا کہ سلمان تم ان میں سے ایک ہو۔ نبی علیہ السلام کے صحابی ہونے کا شرف ملا، یہ تھے ولنگ سٹوڈنٹ۔ مشقتیں اٹھانی پڑیں، بھوک برداشت کرنی پڑی، سفر کرنا پڑا، غلام بن کر رہنا پڑا، مگر ان کے قدم متزلزل نہیں ہوئے۔ یہ دھن کے پکے، تھے، من کے سچے تھے، بالآخر اللہ نے ان کو منزل پر پہنچا دیا۔

عام مسلمان اور پر جوش مسلمان میں فرق:

تو ایک ہوتا ہے طالب علم اور ایک ہوتا ہے پر جوش طالب علم (Willing Student)۔ جس طرح ان دو کے درمیان زمین اور آسمان کا فرق ہے، اسی طرح ایک ہوتا ہے مسلمان اور ایک ہے پر جوش مسلمان۔ مسلمان تو ہمارے جیسے کہ کلمہ بھی پڑھ لیا لیکن نمازیں بھی قضا ہو رہی ہیں، جھوٹ بھی بول رہے ہیں، غیبت بھی کر رہے ہیں، حسد بھی کر رہے ہیں، غصہ بھی قابو میں نہیں، مشکوک قسم کی چیزیں بازار میں کھا لیتے ہیں۔ کہنے کو مسلمان ہیں۔

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

میوزک بھی سنتے ہیں، ڈرامے بھی دیکھتے ہیں، گانے بھی سنتے ہیں، انٹرنیٹ کی مصیبت بھی ہے مگر کلمہ پڑھا ہے اس لیے مسلمان ہیں۔ کوئی پوچھے تو کہتے ہیں: میں مسلمان ہوں، بچے بھی مسلمان ہیں لیکن گھر کے ماحول کو دیکھو تو یورپ کا ماحول

زیادہ غالب نظر آتا ہے۔ گھر کے بیٹھنے اٹھنے کو دیکھو تو طور طریقے بھی یورپ کے، لباس کو دیکھو تو وہ بھی یورپ کا، اگر پسند ناپسند کو دیکھو تو وہ بھی کفار کی، لیکن کہتے ہیں جی ہم مسلمان ہیں۔ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ کم از کم کلمہ تو پڑھا، تسبیح تو کی۔ اللہ کی وحدانیت کی اور نبی ﷺ کی رسالت کی گواہی تو دی، یہ ہے مسلمان۔

ایک ہوتا ہے پر جوش (Willing) مسلمان، اپنے جذبے سے، اپنے شوق سے جس کو دین پڑھنے کا، اس پر عمل کرنے کا جذبہ حاصل ہو، وہ پر جوش مسلمان ہوتا ہے۔ اس کی حالت کچھ اور ہوتی ہے اور پھر ایسے بندے کی انگلی اللہ کی رحمت پکڑ لیتی ہے اور اسے منزل پر پہنچا دیتی ہے۔

ایک معذور صحابی رضی اللہ عنہ کا شوقِ جہاد:

چنانچہ احد کا میدان ہے، نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک صحابی آتے ہیں جو لنگڑے ہیں، پاؤں سے معذور ہیں، بیلنس قائم نہیں رہتا، تیز بھی نہیں چلا جاتا، کہتے ہیں۔ کہتے ہیں: اے اللہ کے حبیب ﷺ! میرے چار جوان بیٹے آپ کے ساتھ جا رہے ہیں اور میں ان کا باپ ہوں اور میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں بھی اپنے لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں چلا جاؤں مجھے بھی آپ اجازت دے دیجیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بھئی! تمہارے چار بیٹے جا رہے ہیں تو تمہارے لیے بہت ہے تم گھر میں رہو۔ تو کہنے لگے: اے اللہ کے حبیب ﷺ! مہربانی فرمایئے (Please) منت کرنے لگے۔ نبی علیہ السلام نے ان کا جذبہ دیکھا تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ اجازت دینے کے بعد تو ان کے اندر ایک جوش آ گیا۔ اب یہ خوشی خوشی گھر جا رہے ہیں اور گھر جا کر بیوی کو کہا کہ تیاری کرو مجھے اللہ کے حبیب ﷺ نے اجازت دے دی ہے۔ بیویاں بیویاں ہوتی ہیں، ان کی دنیا ہی اور ہوتی ہے، اس نے آگے سے کہہ دیا

کہ مجھے تو لگتا ہے کہ آپ جاؤ گے تو بھاگ کر واپس آجاؤ گے۔ جب یہ الفاظ سنے تو انہوں نے دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ لَا تَرُدَّنِيْ اِلٰى اَهْلِيْ

''اللہ! مجھے اہلِ خانہ میں واپس نہ لوٹانا۔''

میں تیرے راستے میں نکل رہا ہوں، واپس نہیں آنا چاہتا۔ لنگڑا ہے، معذور ہے، عمر اتنی کہ چار جوان بیٹے ہیں مگر دل میں شوق انگڑائیاں لے رہا ہے کہ میں بھی اپنے لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں جاؤں۔ چنانچہ احد کے میدان میں گئے:

فَقَاتَلَ وَ قُتِلَ حَتّٰى قُتِلَ

شہید ہو گئے۔ اب ان کی بیوی نے ان کی لاش اٹھائی کہ مدینہ لے چلوں تو سواری نہیں چلتی تھی۔ نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، اے اللہ کے حبیب ﷺ! سواری مدینے کی طرف نہیں جاتی۔ آقا ﷺ نے پوچھا کہ انہوں نے گھر سے نکلنے سے پہلے کوئی بات کہی تھی؟ اے اللہ کے حبیب ﷺ! دعا مانگی تھی کہ اللہ! مجھے اہل کی طرف واپس نہ لوٹانا۔ فرمایا: اب ان کی لاش بھی مدینہ واپس نہیں آئے گی، چنانچہ ان کو احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قریب دفن کیا گیا، آج بھی وہاں آرام فرما رہے ہیں۔ یہ ہوتا ہے ونگ مسلمان۔ اپنا جذبہ، اپنا شوق اتنا ہوتا ہے کہ میں اللہ کو راضی کر لوں، میں نبی ﷺ کی سنت کا نمونہ بن جاؤں، میرے دن رات اللہ کو راضی کرنے والے ہو جائیں، ایسے بندے کو ایک آگ سینے میں لگی ہوتی ہے جو اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔

دو کم عمر بچوں کا جذبہ جہاد:

مسلمان احد کے میدان میں جا رہے ہیں۔ ایک بچہ ہے جس کا نام ہے سمرہ، قد

چھوٹا ہے مگر جذبہ ہے۔ اب جب مجاہدین کی لائن بنی اور نبی علیہ السلام سب کو دیکھ رہے ہیں تو یہ پنجوں کے بل کھڑا ہوا ہے۔ آپ ذرا غور کیجیے کہ کوئی پکنک منانے تو نہیں جا رہے تھے، وہاں تو جان کا معاملہ تھا۔ یہ پنجوں کے بل کھڑا ہے کہ مجھے اللہ کے نبی ﷺ قبول(Except) کر لیں۔ نبی ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ بھئی! تم تو چھوٹے ہو۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! میرا قد تلوار سے بڑا ہے۔ نبی علیہ السلام نے جذبہ دیکھا تو فرمایا بہت اچھا۔ اب جب اس کو اجازت مل گئی تو ایک اور بچہ جس کا نام تھا رافع، اس نے بھی کہا کہ جی مجھے بھی جانا ہے اور اس کو سفارش نہیں مل رہی تھی۔ اس نے اپنے انکل کو جو اس کا سوتیلا باپ تھا، اس کو کہا کہ میں اگر خود جاؤں گا تو نبی ﷺ منع فرما دیں گے آپ میری سفارش کر دیں۔ سوتیلے باپ نے آ کر سفارش کی، نبی ﷺ نے فرمایا یہ تو بہت چھوٹا ہے تو وہ آگے سے کہنے لگا کہ اللہ کے نبی ﷺ! آپ نے اس کو تو اجازت دے دی نا! میری اس سے کشتی کروا لیجیے اگر میں گرا لوں تو مجھے بھی اجازت دے دیں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ چنانچہ دونوں کی کشتی ہوئی، کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ بچہ کمزور تھا لیکن جب اس نے دوسرے بچے سے پنجہ ملایا، تو آنکھوں میں اس کو میسج دیا کہ تمہیں تو اجازت مل گئی، اب تم گر جاؤ گے تو مجھے بھی اجازت مل جائے گی۔ چنانچہ ان کے میسج کو قبول کر کے وہ دوسرا بچہ تھوڑی دیر میں گر گیا، یہ اس کے سینے پر بیٹھ گئے، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے اسے پچھاڑ دیا، مجھے بھی اجازت مرحمت فرما دیجیے۔ یہ کہلاتے ہیں پر جوش مسلمان۔ اللہ کو راضی کرنے کا، اللہ کے ہاں مقرب ہونے کا ایک انتھک جذبہ ہوتا ہے۔ وہ ان کو راتوں کو سونے نہیں دیتا، دن کو چین نہیں لینے دیتا، بھاگ بھاگ کر نیکیاں کرتے ہیں، تھک تھک کر نیکیاں کرتے ہیں مگر ان کا دل نہیں تھکتا۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنے اللہ کو راضی کر ہی لینا ہے۔ چنانچہ ان کو کہتے ہیں،

پر جوش مسلمان۔

گلہ بانی سے حرم کی چوکھٹ تک:

ہمیں ایک مرتبہ ایک واقعہ خود پیش آیا۔ یہ سنا کر بات کو مکمل کروں گا۔ مسکین پور شریف کچھ عرصہ جا کر رہنے کا موقع ملا تو وہاں ایک طالب علم تھا، قرآن یاد کرنے والا۔ اس کی عجیب کہانی تھی، وہ دیہات کا رہنے والا غریب ماں باپ کا بیٹا تھا، ماں باپ نے اس کو پچاس ساٹھ بکریاں رکھ کر دیں کہ بیٹا انہیں چراؤ، ان کے دودھ اور گوشت سے ہمارا گزارا چلے گا۔ اب وہ بچہ جنگل میں بکریوں کو چرانے کے لیے نکلتا، اکیلا بچہ پچاس ساٹھ بکریوں کو چراتا، جون جولائی اگست کی گرمی میں تو تنگ ہو جاتا۔ پسینہ سے شرابور ہوتا، پینے کو ٹھنڈا پانی تو کیا سرے سے وہاں ملتا ہی نہیں تھا۔ یہ بچہ اتنی مشقت برداشت کر کے شام کو آتا، سارا دن دھوپ میں رہنے کی وجہ سے رنگ کالا ہو گیا، جسم لاغر ہو گیا۔ ایک دفعہ اس کو ایک دوست ملا دونوں ہم عمر تھے، اس نے پوچھا سناؤ کیا حال ہے؟ کہنے لگا کہ بس ماں باپ نے بکریاں مجھے لے کر دی ہیں صبح ہوتی ہے، میں لے کر نکلتا ہوں کوئی بکری ادھر بھاگتی ہے، کوئی ادھر اور ان کے پیچھے بھاگ بھاگ کر میرا تو حال برا ہے، گرمی اوپر سے، روٹی خشک ہوتی ہے، پینے کو پانی نہیں ہوتا، میں تو ایسی مشقت کی زندگی گزارتا پھرتا ہوں۔ دوسرے نے کہا: اچھا! میں تو بڑے مزے میں ہوں۔ میرے ماں باپ نے مجھے ایک مدرسہ میں داخلہ دلوایا ہے، وہاں تو بجلی بھی ہے، پنکھے بھی ہیں، سارا دن چھت کے نیچے سائے میں بیٹھنا ہوتا ہے، صبح کو ناشتہ ملتا ہے، دوپہر کو کھانا ملتا ہے، رات کو کھانا ملتا ہے، ہم تو سارا دن قرآن پڑھتے ہیں، مزے کرتے ہیں۔ اب اس بچے کا دل للچایا کہنے لگا کہ بھئی! مجھے بھی لے جاؤ، اس نے کہا کہ آ جانا۔

چنانچہ اگلے دن یہ بچہ ماں باپ سے بھاگ کر اس کے ساتھ مدرسے چلا گیا۔ اس نے جا کر مدرسے کے مہتمم کو کہا کہ یہ میری بستی کا بچہ ہے، اس کو داخلہ دے دیں تو انہوں نے اعتماد کرتے ہوئے اس کو داخلہ دے دیا۔ اب اس بچے نے جس نے سکول کا منہ نہیں دیکھا تھا، جس کو گنتی نہیں آتی تھی، الف بے نہیں آتی تھی، بیٹھ کر قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا۔ مگر اس کے دل میں ایک شوق تھا، ایک لگن تھی، اشتیاق تھا۔ اتنے اچھے طریقے سے اس نے قرآن پاک یاد کرنا شروع کیا کہ اس بچے کو ہمیشہ سو میں سے ایک سو پانچ نمبر ملا کرتے تھے۔ میں نے استاد سے پوچھا کہ جناب سو میں سے ایک سو پانچ کیسے؟ وہ کہنے لگے: اس کے اچھا پڑھنے کے سو میں سے سو اور اس کو نہ تو سبق سناتے ہوئے غلطی لگتی ہے، نہ تشابہ لگتا ہے، نہ اٹکن لگتی ہے، یہ روانی کے ساتھ ایسے پڑھتا ہے جیسے پانی بہہ رہا ہو۔ اس بچے کو اضافی طور پر پانچ نمبر اوپر دے دیتے ہیں۔ اس بچے نے جتنا عرصہ پڑھا ہر امتحان میں سو میں سے ایک سو پانچ نمبر لیے اور پھر اللہ نے زبان پر قرآن کو جاری کر دیا۔

کیا کوئل کی آواز تھی جو اس کو ملی، اتنے سوز سے وہ قرآن پڑھتا تھا، بندے کا دل موہ لیتا تھا۔ آج بھی مجھے یاد ہے، عصر کی نماز کے بعد میں کمرے میں بیٹھا مراقبہ کر رہا تھا، اس کی قرآن پاک پڑھنے کی آواز آئی، ایسی کشش (Attrection) تھی کہ مراقبہ کرنا مشکل ہو گیا۔ مراقبہ ختم کر کے میں اٹھا کہ میں جا کر بچے کا قرآن سنتا ہوں، جب باہر گیا تو عجیب حال دیکھا، پانچ چھ کلاسیں مسجد کے صحن میں لگی ہوئی تھیں، سارے بچے خاموش ہیں، استاد خاموش ہیں اور جو چلنے پھرنے گزرنے والے لوگ تھے، وہ کنارے کھڑے ہو کر سن رہے ہیں اور اس بچے نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں اور سورۃ یوسف پڑھ رہا ہے۔ کیا اس نے سورۃ یوسف پڑھی بڑے عجیب لمحات تھے

زندگی کے کہ قرآن سینوں میں اترتا چلا جارہا تھا۔ ایسی آواز سے وہ بچہ پڑھ رہا تھا۔

اس بچے نے قرآن یاد کر لیا تو اب اس کو علم پڑھنے کا شوق ہوا۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ وہ عالم بھی بن گیا۔ پھر جو بندہ قرآن سے محبت کرتا ہے قرآن گرے پڑوں کو اٹھانے کے لیے آیا ہے، پس ماندہ لوگوں کو اللہ کے قریب کرنے کے لیے آیا ہے، جو دنیا میں کمزور ہوتے ہیں ان کو عزتیں دینے کے لیے آیا ہے۔ کیونکہ اخلاص کے ساتھ اس نے قرآن پڑھا تو اس کا نتیجہ کیا نکلا کہ ایک مرتبہ کہیں قرأت کانفرنس ہوئی اور اس کانفرنس میں انعام رکھا گیا کہ جو سب سے اچھا قرآن پڑھے گا تو ہم اس کو عمرے کا ٹکٹ انعام میں دیں گے۔ ملک کے طول وعرض سے قرا آئے قرآن پڑھنے کے لیے۔ انہوں نے عرب کے ایک شیخ تھے، بڑے عالم تھے، ان کو بطور جج بلایا کہ آپ فیصلہ کریں گے کہ کون اول نمبر پر آیا۔ سب نے قرآن پڑھا، اس بچے نے بھی قرآن پڑھا، مگر اس کا قرآن تو ایسا تھا کہ کوئی آنکھ نہیں تھی جس میں سے آنسو نہ بہہ رہا ہو۔ ایک قرآن کی اپنی مقناطیسیت اور اس کے اوپر اس بچے کا اخلاص، تو نور علی نور ہو گیا، مجمع عجیب کیفیت میں آ گیا۔ چنانچہ جب رزلٹ اناؤنس ہوا تو عرب نے اس وقت کہا کہ آج بچے کو دو انعام ملیں گے، ایک انعام جو مسجد کمیٹی والوں نے دینا ہے (عمرے کا ٹکٹ) وہ ملے گا اور دوسرا انعام میں اپنی طرف سے دوں گا۔ اب مجمع حیران تھا۔ اس نے کہا کہ کیا یہ قاری صاحب انعام لینے کے لیے تیار ہوں گے؟ تو قاری صاحب کھڑے ہو گئے کہ جی ہاں اس نے پوچھا کہ میں اپنی بیٹی سے اجازت لے کر آیا ہوا ہوں میں اپنے بیٹی کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں، مجمعے میں قاری صاحب کا اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر دیا گیا۔ اللہ نے مہربانی کی یہ یہاں سے گیا، اقامہ بھی مل گیا۔ وہ بچہ جو کبھی دھوپ کے اندر بکریوں کے پیچھے بھاگتا تھا، آج حرم

کے اندر طواف کرتا ہے، زبان پر اللہ کا قرآن ہوتا ہے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے:

تو ایک ہوتا ہے مسلمان اور ایک ہوتا ولنگ (پرجوش) مسلمان۔ آج اس چیز کی کمی ہے۔ ہم نے آج اس فاصلے کو طے کرنا ہے کہ صرف مسلمان نہ رہیں ایک پرجوش مسلمان بن جائیں۔ اندر جب وہ آگ لگ گئی، وہ ہماری زندگی کو بدل کے رکھ دے گی۔ پھر دن اور ہوگا، راتیں کچھ اور ہوں گی۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

آج ان دلوں میں کیسے وہ جذبہ آئے گا؟ کیسے وہ اللہ کی محبت بھڑکے گی؟ کیسے وہ شمع روشن ہوگی؟ جو ہمیں اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنے کے لیے براہیختہ کر دے۔ دن میں بھی ہم اسی دھن میں لگے ہوئے ہوں اور راتیں بھی ہماری اسی شوق میں بسر ہو رہی ہوں، آج سینے کے اندر وہ انگیٹھی، وہ آگ ٹھنڈی ہو چکی۔ آج وہ جذبہ ختم ہو گیا، کہاں گئے وہ نوجوان جو رات کے آخری پہر میں اٹھتے تھے؟ لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگاتے تھے، اپنے سینوں کو روشن کرتے تھے۔

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ
تعمیر آشیاں سے میں نے یہ راز پایا
اہل جنوں کے حق میں بجلی ہے آشیانہ
اے لا الہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ کردار ساحرانہ

یہ بندگی خدائی وہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ

آج کیا دورنگی کی زندگی گزارتے پھر رہے ہیں، نام خدا کا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں دفتر کی تنخواہ سے رزق ملے گا یا ہمیں فقط دنیا کے اسباب سے رزق ملے گا۔ ہم اللہ کے اوپر کیوں نہیں نظر جما کر کام کرتے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

آج کہنے کو مسلمان ہیں اور دل میں مخلوق بھری پڑی ہے، دل کے اندر اللہ کی محبت کی وہ حرارت نہیں جو ہونی چاہیے تھی۔ اسی کو تو کسی نے کہا:

بتوں سے تجھ کو امید خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

ہم نام کے مسلمان ہیں، اللہ ہمیں کام کا مسلمان بنا دے، پرجوش مسلمان بنا دے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے کیا خوبصورت شعر کہا: ؎

تیرے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلمان کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

اللہ رب العزت ہمیں، ایمان کی وہ حرارت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ